خلافت و امامت

حصہ دوم

مطبوعۂ یوسفی پریس پل فرنگی محل لکھنؤ

تعارف

مسئلہ خلافت و امامت کی بحث مارچ سنہ ۱۹۳۵ء سے شروع ہوئی تھی جو کئی برس تک ماہوار رسالوں اور اخباروں میں جاری رہی۔ چونکہ اس موضوع پر مختلف عقائد رکھنے والے حضرات نے علمی حیثیت سے طویل بحثیں کی ہیں۔ اس لیے امامیہ مشن لکھنؤ نے یہ طے کیا کہ ان سب مضامین کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ طالبان تحقیق کو آخری فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

یہ مضامین جس ترتیب سے چھپے تھے بالکل اسی طرح مشن نے بھی شائع کیے ہیں۔ اس بحث کے بانی ایک غیر مسلم جناب ہرنام صاحب ہیں۔ چنانچہ مسئلہ خلافت و امامت حصہ اول میں سب سے پہلا مضمون جو پراسی صفحوں پر آپ ہی کا ہے جس کی سرخی ہے "مسئلہ خلافت و امامت ایک غیر مسلم کے نقطۂ نظر سے" دوسرا پچاس صفحوں کا مضمون "مسئلہ خلافت و امامت میرے نقطۂ نظر سے" مدیر نگار جناب نیاز فتحپوری کا ہے آخری مضمون مسئلہ خلافت و امامت اور محترم مدیر نگار کا محاکمہ" پھر جناب ہرنام صاحب کا ہے۔

زیر نظر رسالہ مسئلہ خلافت و امامت حصہ دوم، طبع دوم میں پہلا مضمون جناب ہرنام کے مضمون کے جواب میں جناب فاروق صاحب کانپوری کا ہے۔ دوسرا مضمون جناب عینی شاہ نظامی عالم اہل سنت کا ہے جو جناب فاروق صاحب کے مضمون کا جواب ہے۔ تیسرا مضمون خلیل الرحمٰن صاحب اعظمی کا ہے جس میں مخصوص نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے اور "نگار" کے ادارتی تبصرے کے ساتھ درج ہے۔ سب سے آخر میں سید العلماء جناب مولانا مولوی علی نقی صاحب قبلہ کا ایک گراں قدر مقالہ ہے جو اس بحث کے ساتھ قریبی تعلق رکھتا ہے۔

(خادم مشن)

سید آفاق حسین رضوی

آنریری سکریٹری

(۱)

مسئلہ خلافت و امامت

ایک غیر مسلم کے نقطۂ نظر سے

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

معزز رسالہ "نگار" لکھنؤ میں کسی "سرنام" صاحب نے جن کے نام کی ہیئت ترکیبی سرنام کو اپنے اندر پناہ دے رہی ہے، بحیثیت ایک غیر مسلم کے مسئلۂ خلافت پر روشنی ڈالی ہے، اور اخیر میں یہ دکھایا ہے کہ خلافت کا مسئلہ تو رسول اللہ صلعم کے زمانہ سے طے تھا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابتدا ہی سے ولی عہد تھے، پھر مسلمانوں کو اس میں اس قدر لڑنے اور باہمی بحث و مباحثہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ صاحب مضمون کے چہرہ پر اگر "تقیہ" کا کوئی حجاب نہیں ہے تو یقیناً مجھ کو ان سے ہمدردی ہے کہ خالص ہندو ہو کر ایک ٹھیٹ اسلامی مسئلہ کے حل پر وہ کس طرح تیار ہو گئے اور پھر کتنی محنت اور دقت سے ان حوالوں کو یکجا کیا جو مختلف ضخیم ماخذوں میں جابجا

لہ رسالہ فاران بجنور اپریل ۱۹۳۵ء

پھیلے پڑے ہیں، اس علم دوستی اور ذوقِ تحقیق کے لیے میں اُن کا شکر گذار ہوں۔

مرزا صاحب نے مضمون لکھنے کو تو لکھا اور بڑی محنت سے لکھا لیکن وہ جستجو اور تلاش کے سلسلہ میں "اسلامی فنِ روایت" اور اُس کے اصول و فروع کو بالکل نظر انداز کر گئے، جس کی وجہ سے ان کو اپنے ہر دعوے میں جگہ جگہ ٹھوکریں کھانا پڑیں، یہ سچ ہے کہ انہوں نے تقریب التہذیب، استیعاب، اسد الغابہ، تاریخ کبیر، تاریخ کامل، تاریخ ابو الفداء، لباب التاویل، معالم التنزیل، مواہب لدنیہ، تاریخ خمیس، صواعق محرقہ، خصائص، ریاض النضرہ، طبقات کبری، تاریخ الخلفاء، مدارج النبوۃ، جامع البیان، تفسیر کبیر، موطاء، سیرۃ ابن ہشام، روض الانف وغیرہ سے استناد کیا ہے، جو رجال، سیر، تاریخ اور تفسیر کی مشہور کتابیں ہیں، اور مشہور علماء اسلام کی لکھی ہوئی ہیں، لیکن یہ بھی تو ایک واقعہ ہے کہ ان کتابوں میں ہزاروں موضوع اور ضعیف روایتیں موجود ہیں، جن پر اہم مسائل کے فیصلہ میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ ان میں سے ہر کتاب میں ایک ایک مسئلہ کے متعلق مختلف اقوال درج ہیں، اور ایک لکھنے والے کو اس کا موقع میسر ہے کہ ان میں سے جو قول چاہے لے لے اور جس کو چاہے چھوڑ دے مثلاً یہی مسئلہ کہ سب سے پہلے آنحضرتؐ پر کون ایمان لایا؟ ان کتابوں سے طے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس شے کے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض روایتوں میں حضرت ابوبکرؓ کا نام ہے، بعض میں حضرت خدیجہؓ کا، بعض میں حضرت علیؓ کا اور بعض میں حضرت زید بن حارثہؓ کا، یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے

ان کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا وہ اس مسئلہ کو آج تک طے نہ کر سکے اس کے برخلاف اگر تحقیق سے کام لیا جاتا اور روایات جانچ لی جاتیں تو یہ مسئلہ نہایت آسانی سے طے ہو سکتا تھا۔

معاف کیجیے گا، ہمارے علماء کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کے مصنفین کے ناموں سے مرعوب ہو جاتے ہیں، اور تحقیق کی بالکل پروا نہیں کرتے، اسی لیے سیکڑوں مسائل آج تک غیر منفصل ہیں اور اگر یہی ذہنیت رہی تو ہمیشہ غیر منفصل رہیں گے، حالانکہ محدثین کرام نے فنِ رجال کی کتابیں اسی لیے مدون کی تھیں کہ روایات کا بے پایاں اور لغو ذخیرہ چھانٹ دیا جائے، جس کی وجہ سے صدہا اختلافات مسلمانوں کے اندر پیدا ہو گئے ہیں، اکابر محدثین نے تو احادیث کے جانچنے میں کم و بیش فن رجال کے اصول سے کام لیا، لیکن تاریخ وغیرہ میں ان کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا، اور آج تک ہمارے علماء ان کی طرف سے بے نیاز نظر آرہے ہیں۔

مسلمانوں کو فن رجال کی بدولت اپنی صحیح تاریخ مرتب کرنے کے جو مواقع میسر ہیں، اور محدثین نے اس کے اصول سے کام لے کر روایات کا جس قدر صحیح ذخیرہ مرتب کر دیا ہے دنیا کی دوسری قومیں اس کا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتیں، کیونکہ مسلمانوں کے علاوہ ساری دنیا ایسے وسائل و ذرائع سے محروم ہے، لیکن بھلا ہو قدما پرستی کا جس نے ہر محقق کی زبان اور قلم کو بے کار کر رکھا ہے

اور علماء صرف اس ذہنیت کے باقی رہ گئے ہیں کہ جو کچھ رطب یابس واقعات قدماء کی کتابوں میں پائے جائیں اُن پر بلا نقد و جرح آمنا بول اُٹھیں، اور جو ایسا نہ کرے وہ ملحد، زندیق، کافر، بے ادب اور خدا جانے کیا کیا ہے۔

بہرحال آپ مجھے "خارجی" سمجھیں یا بالکل دائرۂ شریعت ہی سے نکال دیں، لیکن میں بالاعلان یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق جو روایات، ہرنام صاحب نے لکھی ہیں، اُن کا اکثر حصہ غلط ہے، اور ان ہی کے مقابل روایات بالکل اسی قسم کی ان ہی محولہ کتابوں میں دوسرے صحابہ کے متعلق موجود ہیں، جن کو خدا معلوم کیوں قلم انداز کیا گیا ہے؟ اور جب کہ وہی فضائل جو حضرت علیؓ کے متعلق مذکور ہیں ان ہی حوالوں سے دوسرے بزرگوں کے لئے بھی ثابت ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ فیصلہ کیونکر کر لیا گیا کہ فضائل علیؓ تو صحیح ہیں اور دوسروں کے فضائل غلط! کیا یہ یک طرفہ فیصلہ نہیں ہے؟

اس قسم کے مباحث کے طے ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ صحیح روایات لے کر غیر صحیح روایات یک قلم ترک کر دی جائیں اسی سے مسلمانوں کی موجودہ بے راہ روی دور ہو سکتی ہے، اور اسی سے دوسری قوموں کی پریشان خیالی کو ہم دور کر سکتے ہیں، مثلاً ہرنام صاحب نے اپنے مضمون میں جن کتابوں کے نام لکھے ہیں وہ سب علماء اہل سنت کی ہیں، لیکن یہ وہ بھی جانتے ہوں گے کہ اہل سنت کے نزدیک ان میں سے

ہر کتاب درجہ میں برابر نہیں ہے؟ بلکہ بعض کتابیں معتبر ہیں، بعض غیر معتبر، اور یہ تفریق مراتب صرف روایات کی نوعیت کی بناء پر پیدا ہوئی ہے، تاریخ وغیرہ کو چھوڑ کر خود احادیث کی کتابوں کو لے لیجیے، تو وہاں بھی یہ فرق مراتب کام کرتا نظر آئے گا، صحاح ستہ حدیث کی دوسری کتابوں سے کیوں افضل ہیں؟ محض روایات کے لحاظ سے، صحاح ستہ میں نسائی اور ابن ماجہ کیوں کم رتبہ ہیں؟ اس لیے کہ ان کی روایات بقیہ چار کتب کے مقابلہ میں کمزور ہیں یا یہ کہ ان میں نسبتاً ضعیف احادیث کا زیادہ ذخیرہ ہے، صحیح مسلم، ترمذی، اور ابوداؤد پر کیوں ترجیح رکھتی ہے؟ اس لیے کہ اس میں روایات اور سند پر زیادہ زور دیا گیا ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم سے کیوں بہتر ہے؟ اس لیے کہ اس میں روایات اور راویوں کی جانچ پڑتال پر جو توجہ کی گئی ہے وہ صحیح مسلم میں نظر نہیں آتی، اور نہ دنیا کی کسی کتاب میں تصحیح کا وہ معیار آج تک پیش کیا گیا ہے!

پس جب خدا کے فضل سے اہل سنت کے پاس روایات کا ایسا معتبر ذخیرہ موجود ہے جس کی نظیر سے ساری دنیا خالی ہے، تو پھر آئیے ہم اسی کو اپنا ماخذ کیوں نہ قرار دیں، اور ہر اختلافی مسئلہ کی نسبت اسی کی طرف کیوں نہ رجوع کریں، میں بڑے ادب کے ساتھ بہرام صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ جہاں اتنی زحمت اپنے اس مضمون کے لئے اٹھا چکے ہیں، وہاں میری خاطر سے تھوڑی تکلیف اور برداشت کر کے روایات سے

سب سے مستند ذخیرہ پر ایک غائر نظر ڈال جائیں اور دیکھیں کہ انھوں نے

فضائل علیؓ کے متعلق جو واقعات درج کئے ہیں، اُن کا سراغ صحیح بخاری

سے بھی لگتا ہے یا نہیں ؟ میں دعوٰے کرتا ہوں کہ یہ تمام مزخرفات

اُن کو صحیح بخاری میں نظر نہیں آئیں گے! اور یہیں سے حق و باطل کا

فیصلہ ہو جائے گا، کیونکہ جب سب سے زیادہ صحیح کتاب اُن روایات

کے ذکر سے خاموش ہے تو پھر اُن پر استدلال کی بنیاد کیونکر رکھی

جا سکتی ہے؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اُن کو صحیح کیونکر سمجھا جاتا ہے ؟

اب آئیے، اس مضبوط ماخذ کی رہنمائی میں ہم ہر نام صاحب

کے دعووں پر توجہ کریں۔

مضمون نگار کا خیال ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اسلام

قبول کیا، لیکن صحیح بخاری سے حضرت ابوبکر، حضرت خدیجہؓ، حضرت سعد

بن ابی وقاص، کے اسماء مبارک قبول اسلام کے سلسلہ میں سب سے مقدم

معلوم ہوتے ہیں، ان کے بعد ایک اور روایت کی رو سے پانچ غلام (حضرت

خدیجہؓ کو ملا کر) دو عورتیں، اور حضرت ابوبکر سابقین اسلام میں ہیں، حضرت

علیؓ کا اب تک کہیں پتہ نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ سعد ابن ابی وقاصؓ

کے بعد اُن کو چوتھا نمبر دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ صحیح بخاری کی کوئی

روایت اشارۃً یا تصریحاً اس کی تائید کرے، ورنہ دوسری روایت کو

پیش نظر رکھ کر نواں نمبر بھی شاید ہو سکے۔

اس سلسلہ میں ابن حجر وغیرہ کے جو اقوال ہیں، ان صحیح روایات کے

مقابلہ میں لغو ہوں گے۔

انذر عشیرتک الاقربین کا واقعہ نہایت معمولی کتابوں میں ہے اور بخاری میں قطعاً نہیں ہے، اس لیے حضرت علیؓ کی ولی عہدی کی بنیاد یہیں سے کٹ جاتی ہے، اور مضمون نگار کا سب سے بڑا حربہ اسی جگہ سے بے کار ہو جاتا ہے!

ہجرت کا واقعہ خود قرآن مجید میں موجود ہے، اور لفظ "صاحب" کی تشریح میں متعدد صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا ہے، اور یہ سب روایتیں صحیح بخاری میں موجود ہیں، لیکن حضرت علیؓ کا بستر پر سونا، بخاری میں نہیں ہے، اس لیے ہجرت کے سلسلہ میں اس کو پیش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ صحیح نہیں ہے، اس موقع پر سرنام صاحب نے قصداً حضرت ابوبکرؓ کی تنقیص کا پہلو اختیار کیا ہے، لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہؐ کے قتل کا اشتہار تھا اور متعدد اشخاص آپ کی تلاش میں گھوم رہے تھے، جو مکہ سے مدینہ تک تعاقب کرتے ہوئے گئے، ایسی حالت میں اس شخص کی خدمت زیادہ وزن دار ہوگی جو اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر رسول اللہؐ کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا، یا وہ قابل ستائش ہوگا جو رات بھر گھر کے احاطہ کے اندر، رسول اللہ صلعم کے حرم میں بہ آرام سوتا رہا، کیونکہ حضرت سودہؓ حرم نبوت کی موجودگی کی وجہ سے یہ اطمینان تھا کہ مشرکین مکان کے اندر نہیں آ سکتے، اگر وہ ایسا کرنا چاہتے تو رسول اللہؐ کی موجودگی ہی میں گھر کے اندر دروازہ توڑ کر یا دیواروں پر چڑھ کر آ سکتے تھے، ساری رات باہر کیوں

کھڑے رہتے ؟

یہ کون دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر پر اطمینان نازل ہوا ؟ اطمینان رسول اللہؐ پر نازل ہوا اور آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کی تشفی کی، لیکن باایں ہمہ حضرت ابوبکر کے انتشار خیال کو کمزوری پر محمول نہیں کیا جا سکتا، وہ انسان کی ایک فطرت ہے، حضرت ابوبکر غار کے دہانہ پر کفار کو دیکھ رہے تھے اس لیے اگر رسول اللہؐ سے انھوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ لوگ اگر اپنے قدموں پر نظر کریں تو ہم کو دیکھ لیں گے، تو اس میں کمزوری کی کیا بات ہوئی ؟ حضرت ابوبکر اگر سرفروشی کے لیے تیار نہ تھے تو ہجرت کی رفاقت کیونکر گوارا کی ؟ یہ سب واقعات کمزوری پر دلالت کرتے ہیں ؟ البتہ کمزوری یہ تھی کہ حضرت علیؓ آرام سے ساری رات گھر کے اندر بستر پر سوتے رہے، اور رسول اللہؐ صلعم کو خدا کے سپرد کر دیا کہ جہاں مزاج چاہے تشریف لے جائیں، اگر زندگی باقی ہے تو آئندہ ملاقات ہو جائے گی ! کیا یہ اطمینان حضرت ابوبکر نے بھی ظاہر کیا ؟ مجھے حیرت ہے کہ ہزنام صاحب کے قلم میں رعشہ کیوں نہ پیدا ہوا ؟ اُن کو حق وصداقت کے چھپاتے وقت خدا کا خوف کیوں نہ معلوم ہوا ؟ کیا رسول اللہؐ کے سب سے بڑے فدائی اور اسلام کے سب سے بڑے جاں نثار کے حق میں ایسے جملے لکھنا سچائی کے گلے پر چھری پھیرنا نہیں ہے ؟ کیا حضرت علیؓ نے کبھی اس طرح آنحضرتؐ کو کفار کے حملہ سے بچایا ہے ؟ صرف ایک ہی واقعہ صحیح بخاری سے پیش کر دیا جائے ! کیا کسی صحابی نے اُس زمانہ میں جبکہ رسول اللہؐ

کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، فدائیت اور جاں نثاری کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں؟ کیا رسول اللہؐ کا حضرت ابوبکر سے زیادہ دامے، درمے، قدمے، سخنے کسی نے ساتھ دیا ہے؟ اور کیا اُن کے برابر کوئی رسول اللہؐ کے واقعات میں شریک بھی رہا ہے؟ اور اُن سے زیادہ رسول اللہؐ کے کوئی کام بھی آیا ہے؟ ہجرت سے پہلے جب عقبہ نے آپ کی گردن مبارک میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچا تھا، اس وقت آپ کے بچانے کے لیے کیا حضرت علیؓ گئے تھے؟ بدر، اُحد، اور تمام معرکوں میں رسول اللہؐ کی حفاظت کیا حضرت علیؓ نے کی تھی؟

مواخاۃ کے واقعہ میں صحیح بخاری بالکل خاموش ہے اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ کی کن بزرگوں سے مواخات ہوئی تھی، البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو دوبار آنحضرتؐ نے اپنا اسلامی بھائی فرمایا ہے، ایک تو حضرت عائشہؓ سے نسبت کے وقت اور دوسرے آخری خطبہ میں جو وفات سے قبل ارشاد فرمایا، تعجب ہے کہ ابوالفداء، استیعاب، صواعق اور خمیس کا حوالہ اس سلسلہ میں پیش کیا جاتا ہے، اور صحیح کی روایتوں سے آنکھ بند کر لی گئی ہے!

مسجد نبویؐ کے اندر صرف حضرت ابوبکر کے مکان کا دروازہ باقی رکھا گیا تھا، اور تمام دروازے آنحضرتؐ نے بند کرا دیے تھے! اس کا ذکر بھی آپ کے آخری خطبہ میں ہے جو بخاری میں موجود ہے، حیرت ہے کہ لوگوں نے ان فضیلیات کو سامنے رکھ کر حضرت علیؓ کے متعلق بالکل اسی قسم کی روایات وضع کیں، اور

۱۲ مضمون نگار نے صحیح روایت کو چھوڑ کر غلط روایتوں کو قبول کر لیا، کیا یہی انصاف و صداقت ہے؟

بدر کے واقعہ میں حضرت ابوبکر کا کارنامہ سب سے بڑا ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے لیے خود ان کے پاس موجود تھے، کیونکہ ان کی حیثیت سب سے بڑے رفیق کی تھی، اور ظاہر ہے کہ جو شخص ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے وقت رسول اللہ کی معیت سے مشرف رہا تھا اس سے بڑھ کر قابل اطمینان آدمی کون ہو سکتا تھا؟ رہے حضرت عثمانؓ تو وہ رسول اللہ کی صاحبزادی کی علالت کی وجہ سے غزوہ میں شریک نہ ہو سکے لیکن رسول اللہ صلعم نے ان کو شریک سمجھا، اور ان کا مال غنیمت میں حصہ لگایا، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کی خدمات سے کس کو انکار ہے؟ لیکن یہ واضح رہے کہ یہ بزرگوار سپاہی تھے، اور حضرت ابوبکرؓ وزیر، اور ظاہر ہے کہ وزیر اور سپاہی کی ذمہ داریوں اور کاموں میں بڑا فرق ہوتا ہے!

حضرت فاطمہؓ کی شادی کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر و عمر کے پیغامات صحیح بنیادی سے دکھانے چاہئیں، پھر مضمون نگار کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس اضافی خوبی سے ان بزرگوں کے مدارج میں کیا ترقی ہو سکتی تھی جن کی صاحبزادیاں جناب رسالت مآب کی زوجیت سے مشرف ہو کر تمام مسلمانوں اور خود حضرت علیؓ کی بھی مائیں بن چکی تھیں! رسول اللہ صلعم کی دامادی دوسرے درجہ کی چیز تھی، اس لیے دوسرے درجہ کے لوگ اس سے مشرف ہو سکتے تھے، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوالعاص

کے لیے البتہ یہ قابل فخر چیز ہو سکتی تھی!

غزوۂ احد کے ذکر میں مضمون نگار کا دل تھرایا ہے، اور قلم لرز گیا ہے لیکن اس نے صحیح کی وہ روایت نظر انداز کر دی، جس میں حضرت ابوبکر اور متعدد صحابہ کی موجودگی اور ثابت قدمی درج ہے، حضرت عمر کا فرار بھی مضمون نگار ثابت نہ کر سکے، شاید ان کو اس جواب و سوال کی خبر نہیں جو ابوسفیان اور حضرت عمر میں ہوا تھا، اور رسول اللہؐ کے ارشاد کے مطابق، حضرت عمر، ابوسفیان کو جواب دے رہے تھے، یہ واقعات بخاری میں موجود ہیں، رہے حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کرام جنہوں نے فرار اختیار کیا تھا تو جب قرآن مجید نے ان کی یہ لغزش قابل مواخذہ نہیں سمجھی تو آج کسی کو کیا حق ہے کہ ان پر اعتراض کرے، سوطا ذکی جو روایت اس سلسلہ میں نقل کی گئی ہے اس کا صحیح میں کہیں پتہ نہیں!

جنگ خندق کا کارنامہ ایک سپاہیانہ کارنامہ ہے، اس لیے اس کو حضرت علیؓ نے انجام دیا، رہے وزراء وہ آنحضرتؐ کے پاس رہے اس میں نقصت کی کیا بات ہے؟

صلح حدیبیہ میں معاہدہ کے کاتب بلاشبہ حضرت علیؓ تھے، اس لیے بحیثیت کاتب کے جو فرض ان پر عائد تھا، انہوں نے ادا کیا، یعنی رسول اللہ صلعم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے ان کو بجنسہ حضرت علیؓ نے لکھ دیا، اور یہی کام ایک امین کاتب کا ہو سکتا ہے، لیکن حضرت عمر اور حضرت علیؓ کی حیثیت میں فرق تھا، وہ رسول اللہؐ کے وزیر تھے، اس لیے ان کو معاہدہ کی بعض شرطوں میں کمزوری محسوس ہو

ہو رہی تھی، اور اسی لیے وہ آپ کی خدمت اقدس میں بڑی کد و کاوش کے ساتھ اپنی درخواست پیش کر رہے تھے، حضرت علیؓ کو یہ منصب نہ تھا اور نہ تعلقات کے لحاظ سے اتنی جرات ہو سکتی تھی کہ رسول اللہؐ سے دوبدو سیاست کے متعلق ایسی گفتگو کر سکیں، رہا کفارہ اور روزہ کا قصہ تو اس کا سبب نعوذ باللہ یہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ اس گفتگو میں اپنے کو سرکش یا رسول اللہ صلعم کا مدمقابل سمجھ رہے تھے، بلکہ یہ سبب تھا کہ شاید سوالات کی تلخی رسول اللہؐ کے لیے باعث تکلیف ہوئی ہو، یہ تو حضرت عمرؓ کی اسلام پرستی اور حب رسولؐ کی بڑی شاندار اور ناقابل تردید دلیل ہے کہ ایسے نازک پہلوؤں کو بھی انہوں نے فراموش نہیں فرمایا۔

اس واقعہ میں صحابہ کے قربانی میں تامل کرنے کو مضمون نگار نے "خفگی" سے تعبیر کیا ہے، جو بالکل غلط ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کو شرائط کی نرمی اور کمزوری کی وجہ سے ایسا صدمہ تھا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رہ گیا تھا، "خفگی" کا لفظ لکھنا انسانی سائیکالوجی سے کس قدر بے خبری ظاہر کر رہا ہے!

حضرت عثمانؓ کا بال نہ منڈوانا اولاً تو بخاری سے ثابت کیجیے، پھر جب یہ بھی جائز تھا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟

غزوہ خیبر میں جو الفاظ حضرت علیؓ کے متعلق صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہیں، بلاشبہ صحیح ہیں، ان سے حضرت علیؓ کی مدح نکلتی ہے، اگر بخاری میں کرار غیر فرار کا ٹکڑا نہیں ہے تو یہ مضمون نگار کو کیوں کھٹکتا ہے؟ جب مستند راویوں سے کوئی جملہ مروی نہ ہو تو کیا یہ بھی کسی محدث کا کام ہے کہ وہ قیاسات

کی بناء پر اپنی طرف سے جملے بڑھا دے! اس غزوہ میں حضرت ابوبکر و عمر کا فوجیں لے کر جانا اور ناکام واپس آنا صحیح سے ثابت کیجیے، اور اگر بفرض محال ایسا ہو بھی تو اس میں سُبکی کی کیا بات ہے؟ کیا حضرت علیؑ کو جنگ صفین میں شکست نہیں ہوئی؟ رہی حضرت علیؑ کی کراری اور غیر فراری تو اس کا یہ کتنا نمایاں ثبوت ہے کہ آنحضرتؐ نے کبھی ان کو پوری فوج کا سپہ سالار نہیں بنایا، بلکہ ہمیشہ ایک سپاہی یا معمولی حیثیت کے افسر کے طور پر رکھا، بخلاف اس کے حضرت ابوبکر اور حضرت زید بن حارثہ اکثر سرایا کے امیر رہے!

فتح مکہ کی دو بش نشینی صحیح بخاری سے ثابت کیجیے۔

حنین کے مفرورین میں حضرت ابوبکر کا نام کہیں نہیں ہے، حضرت عمر کی میدان جنگ میں موجودگی بخاری سے ثابت ہے، لیکن حضرت علیؑ کا بھی تو صحیح روایت میں پتہ نہیں چلتا، البتہ حضرت عباس اور ابوسفیان بن حارث کی پامردی ایک ناقابلِ انکار واقعہ ہے۔

محاصرہ طائف کے زمانہ میں آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کی ایک پُر اسرار گفتگو کا مضمون نگار ذکر فرماتے ہیں، لیکن کس کے حوالہ سے؟ الریاض النضرۃ!

تبوک میں جو حدیث ارشاد فرمائی، وہ بخاری میں مذکور ہے، اور لے دے کر یہی ایک حدیث صحیح حضرت علیؑ کے فضائل میں سب سے نمایاں ہے، لیکن لا نبی بعدی کے بعد اس میں کیا خصوصیت رہ جاتی ہے؟ صرف اہل و عیال کی نگرانی! جو ظاہر ہے کہ کوئی شرف نہیں، اس سے بڑا شرف تو ان بزرگ کو ملا جو مدینہ منورہ پر خلیفہ بنائے گئے تھے! مضمون نگار کا یہ لکھنا بھی غلط اور

محض قیاس آرائی ہے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو حضرت علیؓ نبی ہوتے،

اس مضمون کی حدیث حضرت عمرؓ کے متعلق ہے

سورۂ برأت کے اعلان کے سلسلہ میں مضمون نگار سے لغزش ہوئی ہے، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی پوزیشن میں فرق نہیں سمجھا، حضرت ابوبکرؓ امیر الحج تھے اور اس لیے خود رسول اللہؐ کے قائم مقام تھے، حضرت علیؓ اور منادی کرنے والوں کی طرح احکام کی منادی کر رہے تھے، جن کے نام صحیح کی روایات میں آئے ہیں!

یمن کی امارت کے واقعہ میں کوئی خاص پہلو نہیں، حضرت علیؓ کی طرح بہت سے صحابہ مختلف صوبوں میں گورنر بنا کر بھیجے گئے تھے، لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ صحیح روایت کے مطابق لوگوں کو اُن سے شکایت پیدا ہوئی! جس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا، اور یہ حضرت علیؓ کی انتظامی قابلیت میں کمی ظاہر ہونے کا پہلا واقعہ تھا جو عہد نبوت میں منظر عام پر آیا! اس سلسلہ میں جو حدیث لکھی ہے اُس کا بخاری میں سرے سے ذکر ہی نہیں، اور اس لیے وہ غلط ہے!

حجۃ الوداع کے ذکر میں پہلی حدیث بے اصل اور غدیر خم والی حدیث اُس سے زیادہ بے اصل ہے، حالت یہ ہے کہ جس قدر ضعیف روایات ہیں سب میں حضرت علیؓ کی فضیلت کے الفاظ بڑھتے جاتے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت علیؓ کے متعلق ایک فقرہ بھی نہیں ملتا، بلکہ غدیر خم کا نام اور اہل بیتؑ کی فضیلت مختصر لفظوں میں ملتی ہے، اور صحیح بخاری میں غدیر خم اور اُس کے واقعہ کا نشان تک نہیں ہے! خدا اُن جھوٹے راویوں سے

سمجھے جنھوں نے اپنی طبیعت سے ایک مستقل و عظیم واقعہ بنا کر کھڑا کر لیا!

یہاں پہونچ کر مضمون نگار نے خطیب کی حیثیت اختیار کر لی ہے، ہم خاموشی سے ان کی گفتگو سن کر صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ما محمد الا رسول کیا غزوہ احد میں نازل ہوئی تھی؟ اس کو شان نزول کی کسی کتاب کے بجائے جامع صحیح سے تحریر فرمائیے! تاکہ صحابہ کرام پر جو آپ نے عموماً ساتھ چھوڑنے کا الزام رکھ دیا ہے وہ صحیح روایت سے ثابت ہو جائے!

بخاری کی پیشین گوئی کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مضمون نگار سمجھ رہے ہیں تو میرے خیال میں حضرت ابو بکر و عمر و عثمان سے زیادہ قابل الزام حضرت علی قرار پائیں گے، کیونکہ اول تین بزرگوں نے تو رسول اللہ کے بعد اسلام کو ترقی دی اور آپ کے مشن کو پورا کیا، اور حضرت علی تو سوائے مسلمانوں کے کشت و خون کے اور کچھ نہ کر سکے! اس لئے "گل کھلانے" کا لفظ سچ سچ کہیے کس پر چسپاں ہوتا ہے؟

اس کے بعد مضمون نگار نے فضائل علی کی حدیثیں شروع کی ہیں ان میں مدینۃ العلم کی حدیث غلط، قضا دالی صحیح، علی منی غلط اور من کنت مولاہ سب سے لغو!

مدینہ کی واپسی پر جو خطبہ حضور کا نقل کیا ہے، محدثانہ تنقید کے اعتبار سے بالکل لغو ہے

جیش اسامہ رض میں اگر حضرت ابو بکر و عمر فوجیوں میں نامزد تھے تو حضرت علی کب مدینہ میں روکے گئے تھے؟ اس کے لئے صحیح سند کوئی

روایت پیش کیجئے! مدارج النبوۃ قابل سند نہیں، تعجب ہے کہ کوئی عربی کی پرانی کتاب آپ کو حوالہ کے لئے یہاں پہ نہ مل سکی! بے شک اگر رسول اللہ اپنی وفات کے وقت حضرت ابوبکر و عمر کو مدینہ سے باہر کر دینا چاہتے تھے تو ان بے چاروں کو شام چلے جانے میں کیا عذر ہو سکتا تھا؟ لیکن حیرت ہے کہ رسول اللہ نے بادل ناخواستہ ان لوگوں کی موجودگی گوارا فرمائی اور نعوذ باللہ ان کے خوف کی وجہ سے حضرت علی کو اپنا خلیفہ نہ بنا سکے! کیا اس اخلاقی کمزوری کے اندر "تقیہ" تو مضمر تھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ، قربان جائیے اس اندھی حمایت کے کہ حضرت علی کے پیچھے خود رسول اللہ پر الزام لگا رہے ہیں!

قلم دوات کے واقعہ سے خلافت علی کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟

کیا معلوم کہ آپ کیا لکھواتے؟ حضرت عمر کا قلم دوات لانے سے روکنا صحیح بخاری میں نہیں ہے، پھر اگر بخار کی شدت کا حال دیکھ کر کسی نے منع کیا ہو تو کیا بے جا کیا؟ اگر کوئی چیز باقی رہ گئی تھی تو آئندہ بھی آنحضرت لکھوا سکتے تھے، کیونکہ قلم دوات مانگنے کا واقعہ جمعرات کا ہے! اور آپ کا انتقال دوشنبہ کے دن ہوا، جس میں بسا اوقات آپ بالکل تندرست معلوم ہوتے تھے، بلکہ خود دوشنبہ کے دن بھی صبح کے وقت صحیح و بشاش تھے، جس سے خود حضرت علی کا خیال تھا کہ آپ کو افاقہ ہو جائے گا، کیا پانچ دن کے اندر کسی چیز کے لکھوانے کا موقع نہیں ملا؟ قوموا عنی کا فقرہ اظہار ناراضگی پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ جس طرح عام طور پر مریض کو زیادہ

بات چیت ناگوار ہوتی ہے، بالکل اُسی طرح آنحضرتؐ نے بھی مرض کی زیادتی کی وجہ سے صحابہ کی باہم گفتگو کو ناپسند فرمایا۔

انتقال کے وقت حضرت علی کی موجودگی اور دست مبارک کا اُن کے اوپر ہونا، ریاض النضرہ کی جھوٹی روایت ہے جو حضرت عائشہ کے پُر فخر صحیح واقعہ کے جوڑ پہ تراشی گئی ہے، صحیح روایات سے اس وقت حضرت علی کا کاشانۂ نبوی میں ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔

ناظرین! آپ نے دیکھا کہ کس طرح غلط اور موضوع روایات لکھ کر مضمون نگار نے حضرت علی کے فضائل بیان کئے ہیں، اور کس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بلکہ اکثر صحابۂ کرام کو مورد الزامات قرار دیا ہے لیکن الحق یعلو ولا یعلیٰ! مضمون نگار اگر میرے بیان کردہ واقعات کو جامع صحیح میں تلاش کریں گے تو اُمید ہے کہ ان پہ تحقیق کا نیا دروازہ کھلے گا اور اُن کو خلافت کا صحیح حل معلوم ہوگا! اس معیار پر واقعات کو دیکھنے کے بعد میں تو یہاں تک کہنے کے لئے مجبور ہوں کہ حضرت علی کو اسلام میں جو چوتھا درجہ دیا جاتا ہے یہ بھی محض اُن کے خلیفہ منتخب ہو جانے کی وجہ سے ہے ورنہ جامع صحیح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر کو سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر کو پھر حضرت عثمان کو اور ان کے بعد پھر سب کو برابر سمجھتے تھے اور یہ خیال عہد نبوت سے لے کر حضرت عمر کی وفات کے وقت تک قائم رہا، چنانچہ حضرت عثمان سے جو بیعت ہوئی اُس کا سبب یہی تھا کہ مدینہ کی اکثریت ان ہی کی

طرف تھی، اور اس کو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے برملا منبر پر حضرت علی کو مخاطب کر کے کہہ دیا تھا، یہ دونوں روایتیں بھی صحیح بخاری میں موجود ہیں، ان واقعات کی موجودگی میں کیا یہ کہنا انکارِ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت علی پر زیادتی کی گئی اور ان کا حق خلافت غصب کیا گیا؟ حضرت علی کی حمایت میں دانستہ یا غلطی سے روایات اور فضائل کا جو بے پایاں ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے اس کی موجودگی میں جو کچھ چاہیئے کہیئے لیکن اگر تلاش حقیقت مقصود ہو تو بارگاہ حق سے وہی فیصلہ ہو گا جو رسول اللہ صلعم کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد ہو چکا، اور اب اس کو کوئی بڑے سے بڑا ذخیرہ روایات بھی متزلزل نہیں کر سکتا۔

مولانا! میں نے آپ کا بہت وقت لیا، لیکن ڈرتا ہوں کہ آپ مجھے جوشِ غضب میں آکر "خارجی" نہ کہہ دیں، لیکن اگر حقیقت کوئی چیز ہے اور اظہار حق کسی اچھے خلق کا نام ہے، تو میں اپنے ضمیر کے اس بے باکانہ اقدام پر نہایت مسرور ہوں کہ میں نے بلا لومۃ لائم اظہار حق کیا ہے؟ آخر میں عرض ہے کہ آپ ان چند سطور کو شائع فرما دیں تاکہ دنیا مضمون نگار کی حق طلبی کا آخری نظارہ بھی دیکھے۔ فاروق (کانپوری)

فاران:۔ آپ کے خیالات میں بجنسہ شائع کئے دیتا ہوں ان پر وہ صاحب غور کریں گے جن کو آپ نے مخاطب فرمایا ہے، لیکن اتنا میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اسلام کے تمام لٹریچر میں قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ کیا معنے اس کے برابر کی بھی کوئی کتاب

موجود نہیں ہے اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے، لیکن آخر روایت کی یہ تمام کتابیں بھی تو بے کار نہیں ہیں اور ان سے بھی تو علمائے اسلام نے اجتہاد واستنباط مسائل میں کام لیا ہے، کیا یہ اتنا بڑا ذخیرہ بالکل لغو اور لاطائل ہے؟ البتہ اگر آپ کا یہ منشا ہے کہ اختلافی مسائل میں سے وہ چیزیں جن کا تعلق فضائل صحابہ یا مشاجرات قرن اول سے ہے ان میں صحیح بخاری کو حکم ان کر کم درجہ کی روایات ترک کر دی جائیں اور ان کو بحث میں نہ لایا جائے تاکہ فرقی اختلافات دور ہو جائیں، تو آپ کی "خوش نیتی" میں مجھے بھی کلام نہیں، بشرطیکہ تمام فرق اسلامیہ اس پر تیار ہوں اور آپ کے ماخذ کو وہ بھی اتنا ہی مستند تسلیم کریں جتنا آپ تسلیم کر رہے ہیں، اور اگر یہ شکل نہ ہو تو یہ ساری بحثیں بے کار ہیں، کیونکہ ان کا حاصل نہ اب تک کچھ نکلا نہ آئندہ نکلنے کی اُمید ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ "کرفتاران ابوبکر وعلی" کی یہ خانہ جنگیاں کب ختم ہوں گی، اور کب اصلی اور بنیادی کام مسلمانوں کے سامنے آئیں گے! آپ نے کسی جگہ مجھ کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ آپ کو کہیں "خارجی" نہ کہہ دوں، اہل قبلہ کی تکفیر میرا مسلک نہیں ہے اور میں ایسے فتووں سے اپنے کو علیحدہ رکھتا ہوں، آپ کم از کم میرے فتوے سے مطمئن رہیں۔

(۲)

بحث خلافت و امامت پر ایک نظر[1]

(از علامہ علی شاہ نظامی، حیدرآبادی، خلیفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ)

موقر رسالہ فاران میں بعنوان خلافت و امامت، بجواب پنڈت ہرنام جی صاحب مولانا فاروق صاحب کی جوابی تحریر دیکھی، اور انھیں کی زبانی ہرنام جی کی داستان بھی سُنی۔ یہ بحثا بحثی فضول اور اس کا نتیجہ بے حصول ہے، رہیں طنزیہ تحریریں اس سے نہ حضرت ابوبکر تولہ بھر گھٹ سکتے ہیں اور نہ جناب امیر ایک رتی بھر کم ہوتے ہیں، نہ تو موطا حضرت ابوبکر کی تنقیص کر سکتی ہے اور نہ بخاری جناب امیر کی عظمت کم کر سکتی ہے۔ ہمارے عندیہ میں پنڈت جی کی وسعت تحقیق مسلم اور مولانا کا امام بخاری سے بے حد خلوص بے کیف و کم۔ بخاری کا اصح کتب ہونا امام ابوبکر بن خزیمہ تلمیذ امام بخاری کا عقیدتمندانہ نظریہ ہے جو ایک حلقہ میں آج بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا امام شافعی کے عقیدہ اصح الکتب تحت ادیم السماء بعد کتاب اللہ الموطاء سے شروع ہوئی اور ابو علی نیشاپوری کے جذبہ ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم الا القران پر ختم ہوئی۔ یہ اپنا اپنا عقیدہ ہے اس پر دوسرے کا بس نہیں۔ اس کو عقیدہ کی حد تک رکھا جائے تو مناسب ہے۔

---

[1] اخبار منادی دہلی ۵ و ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء

قرآن و حدیث ہم مسلمان قرآن مجید کے لفظ لفظ اور آیت آیت کو وحی ربانی اور کلام حقانی مانتے ہیں اور ازازل تاابد اس کو واجب التعمیل اور قابل احترام جانتے ہیں۔ رہی حدیث یہ بھی اگر باللفظ اور بالتواتر مروی ہے تو بعد کلام باری سر آنکھوں پر اور یہی مسلک امام ابو حنیفہ ماجاء عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فعلی الرأس والعین سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ ہماری ساری مرویات بالمعنیٰ ہیں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اور کیا، اس کا خلاصہ صحابہ نے اپنے لفظوں میں تابعین کو اور تابعین نے جو سنا اس کا مفہوم اپنے لفظوں میں تبع تابعین کو سنایا۔ اور انھوں نے ان لفظوں کو مطالب کے ساتھ محفوظ کر لیا اور روایت کی۔ ۹۵ھ سے ابو حنیفہ رح نے روایت بالمعنیٰ کی روک تھام کرتے ہوئے روایت باللفظ پر زور دیا اور علی الاعلان فرمایا۔ لا حجۃ الا فیما رواہ الراوی من حفظہ و تذکرہ (ابن الصلاح) مگر سنتے کون؟ کثرت روایت کا اس درجہ شوق تھا کہ ہزاروں حدیثیں بالمعنیٰ روی ہو گئیں جس کا خمیازہ آج امت اٹھا رہی ہے۔ علامہ ابن عبد البر کتاب العلم میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی نہ سُن کر ارباب روایت نے بڑی غلطی کی۔ جیتے دم تک امام صاحب اس کے پابند رہے مگر ہزاروں بالمعنیٰ روایات کو روک نہ سکے۔ مگر پھر بھی ان پر چند قیود یہ عائد فرما گئے۔ (۱) راوی میں ثقاہت، عدالت اور صداقت کے علاوہ فقاہت بھی رہے (۲) کوئی بھی حدیث شواہد کے بغیر قبول نہ ہو (۳) کوئی حدیث خلاف قرآن، منافی وقار نبوت، معارض واقعہ مشہورہ یا مخالف اصول مجمع علیہا

مروی نہ ہونے پائے۔ مگر ارباب روایت نے اس پر شور وغل مچایا۔ اور امام صاحب کو اہل الرائے قرار دیا۔

احادیث بخاری کی ہوں کہ طبری کی، مسلم کی ہوں کہ طبرانی کی سب کی سب بالمعنے مروی از قسم احاد اور مفید ظن ہیں۔ یہ قطعی الثبوت والدلالہ نہیں۔ ہمارے محدثین نے جمع احادیث میں بڑی بڑی کڑیاں جھیلیں اور ہمارے لئے ایک بڑا ذخیرہ رکھ چھوڑا۔ مگر سب کا دارومدار راوی کے معتمد اور غیر معتمد سمجھنے پر رہا۔ جس کو معتبر جانا اس سے حدیث لی جس کو معتبر نہ جانا اس کی روایت چھوڑ دی۔

یہاں پر دیکھنا یہ ہے کہ احمد ہوں یا بخاری، ان بزرگوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تین چار واسطے ضرور ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے استاد کے سوا اوپر کے کسی راوی کو دیکھا نہ سنا۔ ہمارا یہ کلیہ کہ چونکہ یہ بڑے ائمہ ہیں ان کے کل راوی ثقہ وصدوق ہوں گے محض حسن ظن ہے۔ جب حسن ظن پر بات ٹھہری یہ مخصوص با بخاری کیوں؟ دوسرے اس سے محروم کیوں؟ اور اگر چھان بین کی ٹھہری تو بخاری اس سے مستثنےٰ کیوں؟

کہتے ہیں کہ کتب رجال اوپر کے راویوں کے حالات کا آئینہ ہیں، یہ ایمان بالغیب ہے اور مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ کتب رجال بھی کتب انسانی ہیں ایک کتاب میں ایک کو ثقہ اور دوسری میں غیر ثقہ لکھا ہے بلکہ ایک ہی میں ایک ہی کو ثقہ و غیر ثقہ لکھا ہے۔ بعض جگہ ایک امام فن نے ایک کو ثقہ اور دوسرے نے غیر ثقہ لکھا ہے۔ نیز ایک ہی امام نے ایک ہی کو ثقہ اور متروک بھی فرمایا ہے۔ بعض جگہ ایک راوی کو ایک جماعت کذاب متروک، ناقابل توا

سارق حدیث، وضاع و دجال کہتی ہے۔ مگر صرف ایک امام فن اس کو ثقہ تسلیم کرتا اور اس سے حدیث روایت کرتا ہے۔ کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے؟ کہ اسید بن زید الجمال سے، جس کو ایک جماعت نے متروک کر دیا۔ امام فن بخاری اس سے اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ بعض وقت ایک جماعت ایک شخص کو ثقہ وصدوق حجت اور امام کہتی ہے۔ مگر ایک امام وقت اس راوی کو ناقابل حجت کہتا ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ امام جعفر صادقؑ جن کو تمام محدثین مانتے ہیں بخاری انہیں ناقابل روایت سمجھتے ہیں؟

مولانا کی طرح جامع بخاری کو ہی مضبوط ماخذ روایات ماننے پر نہ ہم آمادہ ہیں اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ بخاری کے سوا ہماری اور ساری تفسیر و حدیث کی کتابیں جو عبد الرزاق ابن ابی شیبہ، ابو حنیفہ، شافعی، احمد ابن راہویہ، ابو یعلیٰ، عبد بن حمید، ابن منصور، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی، دارمی، بیہقی، ابن عاصم، ابو حاتم، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن حبان، حاکم ضیاء مقدسی، طبرانی، طبری، ابن اسحٰق، ابن ہشام، حلبی، ابن عبد البر، ابن سعد ابن عساکر، خطیب، ابن مردویہ، ابن مغازلی، دیلمی، عاصمی، ابو الحسن الملا، ثعلبی، واحدی، ابن ابی حاتم، امام رازی اور بغوی سے منسوب ہیں تو وہ خرافات اور مجموعۂ موضوعات وضعاف ہیں اس لئے کہ ہمارے سلف صالحین اور علمائے عاملین مثل علامہ عینی، نووی، ابن حجر، سبکی، ذہبی، قسطلانی، زرقانی، شوکانی قاری، متقی، سیوطی، ابن حجر مکی، شیخ دہلوی اور شاہ ولی اللہ نے ان ہی کتب سے ان گنت روایتیں اپنی تصنیفوں میں لی ہیں اور ان کتب کو مستند اور قابل احتجاج تسلیم کیا ہے۔

امام بخاری فن حدیث کے بڑے امام اپنی آپ نظیر اور خاص شان کے محدث ہیں مگر معصوم اور محفوظ عن الخطا نہیں، ان سے پہلے بھی اور ان سے بعد بھی صدہا جلیل القدر آئمہ فن گزرے ہیں اور اپنی صدہا تصنیفیں ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں ہم اور ہمارے سلف ان سب کو مانتے ہیں اور سب کی روایتیں لیا کرتے ہیں۔ خود بخاری و مسلم بھی تو عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ و امام احمد کی کتابوں سے برسوں متمتع ہوئے ہیں۔ سو دو سو کتب حدیث میں ایک بخاری کی صحیح بھی ہے۔ ہر کتاب قابل احتجاج اور ہر کتاب مستند ہے۔ ہر کتاب میں صحیح، حسن، ضعیف و سقیم روایتیں ہیں۔ کہیں کم کہیں زیادہ۔ نہ ہم اس کے قائل کہ بخاری میں جو بھی ہے وہ سب صحیح ہے اور نہ ہم اس کے معتقد کہ اس سے باہر جو ہے وہ غیر مستند۔ ناقابل حجت یا ہمہ سوختنی ہے۔ یہی ہمارا مسلک ہے اور یہی ہمارے ائمہ حنفیہ کا طرز ہے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو حنفیہ کے مستند عالم اور محدث ہیں شرح سفر السعادت میں رقمطراز ہیں (۱) صحیح در مسلم و بخاری منحصر نیست از غیر اینہا ہم حدیث صحیح را اخذ تواں کردہ (۲) احادیث صحیحہ منحصر نیست در صحیحین بخاری و مسلم و ایشاں استیعاب نہ کردہ اند جمیع صحاح را کہ نزد ایشاں بود بہ شرط ایشاں چہ جائے مطلق صحیح (۳) کتب ستہ کہ مشہور اند در اسلام گفتہ اند کہ در انجا اقسام حدیث از صحیح و حساں وضعاف ہمہ موجود ست (۴) بہ تحقیق روایت کردہ است امام مسلم در کتاب خود از بسیاری از رواۃ کہ سالم نیستند از غوائل جرح و ہمچنیں در کتاب خود بخاری از جماعتے روایت کردہ کہ تکلم کردہ شدہ است در ایشاں (۵) در کتب نسائی و ابن ماجہ ابو داؤد و احمد وطیالسی و

عبد اللہ بن احمد و عبد الرزاق و ابن منصور و ابن ابی شیبہ و ابو یعلیٰ و حاکم و طبرانی
و دار قطنی و ابو نعیم و بیہقی صحیح و حسن ضعیف ہمہ اقسام حدیث نمایاں۔ اما ہر چہ در
مسند امام احمد است ہمہ مقبول است و ضعیف وے نیز قریب حسن است۔
امام ابن حجر عسقلانی قول مسدد میں اور علامہ ابن ہمام بھی فتح القدیر
میں قریب قریب یہی فرما رہے ہیں۔
عقیدت اور بات ہے واقعہ اور چیز ہے۔ عقیدت سے واقعہ کا کوئی
تعلق نہیں۔ عقیدت منوائی نہیں جاتی واقعہ اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے۔ واقعہ
یہ ہے کہ بخاری میں بھی صحاح و حسان۔ ضعاف و منکر مرفوعات اور تعلیقات
ہیں۔ شامی کنیتوں اور ناموں کا اختلاط آج بھی لاینحل ہے۔ غزوات خطبات
اور بعض واقعات کی ناقابل بیان قطع و برید بوجہ اختصار پسندی ہو گئی ہے۔
جو بخاری سے باہر باسناد جید تفصیل سے ملتے ہیں۔ تعلیقات کی بھرمار نے
آپ کے ہمعصر امام ابو حفص کبیر کو آپ کا مخالف کر دیا اور بعد والوں میں
ابن حزم جیسی ہستیوں کو اس کتاب پر جرح کا کافی موقع دیا۔ ان کے علاوہ
فرقہ ہائے اباضیہ خارجیہ۔ ناصبیہ۔ رافضیہ۔ جہمیہ۔ مرجیہ و قدریہ کی ان گنتی
روایتیں اس میں موجود ہیں۔ چنانچہ ابن حجر جیسا بخاری پرست محدث بھی
نخبہ میں لکھتا ہے ان الرجال الذین تکلم فیھم من رجال مسلم اکثر عدداً
من رجال البخاری اور علی القاری شرح نخبہ میں فرماتے ہیں فان الذین
انفرد بھم البخاری اربعمائۃ و خمس و ثلاثون رجلا و المتکلم فیھم بالضعف
نحو من ثمانین والذین انفرد بھم مسلم نحو ستمائۃ و عشرون والمتکلم

فیهم بالضعف مائۃ وستون کما ذکرہ السخاوی فی شرحہ علی الفیۃ المالک۔

مختصر یہ کہ بخاری میں چار سو پینتیس حدیثیں منفرد ہیں جن میں اسی ضعیف ہیں اور مسلم میں چھ سو بیس حدیثیں منفرد ہیں جن میں ایک سو ساٹھ ضعیف ہیں۔

بخاری کے چند ضعیف راویوں کے نام

(۱) سید بن زید الجمال ابو محمد کوفی۔ کذاب متروک۔ ابن معین نے کہا کذاب ہے نسائی واحمد نے کہا متروک ہے۔ ابن حجر نے کہا کہ کسی کے نزدیک بھی ثقہ نہیں۔

(۲) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے ابوحاتم نے کہا ناقابل روایت ہے۔ مہدی نے کہا ناقابل حجت ہے دارقطنی نے کہا اس سے روایت کرنا بخاری کے لئے عیب ہے۔

(۳) اسحٰق بن محمد بن اسماعیل الفروی۔ مرہ نے کہا مضطرب ہے عقیلی نے کہا واہی ہے۔ نسائی نے کہا ثقہ نہیں۔ دارقطنی نے کہا ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے کہا راوی منکرات ہے۔

(۴) اسماعیل بن ادریس۔ نسائی نے کہا ضعیف ہے۔ ابن معین نے کہا چور ہے۔ دارقطنی نے کہا کذاب ہے ابن عدی نے کہا سارق حدیث ہے۔

(۵) ذکریا بن یحییٰ طائی۔ دارقطنی نے کہا ضعیف ہے یحییٰ نے کہا راوی منکرات ہے۔ حاکم نے کہا کثیر الاغلاط ہے اور ابوداؤد نے کہا منکر الحدیث ہے۔

(۶) عبدالعزیز دراوردی۔ احمد نے کہا واہی اور کثیر الاغلاط ہے۔ ابوزرعہ نے کہا سئی الحفظ ہے۔ نسائی نے کہا منکر الحدیث ہے اور ابوحاتم نے کہا ناقابل احتجاج ہے

(۷) محمد بن طلحہ بن مصرف کوفی۔ ابن سعد نے کہا راوی منکرات ہے عفان نے کہا کذاب ہے ابوداؤد نے کہا کثیر الخطا ہے۔ نسائی نے کہا ضعیف ہے ابو کامل نے کہا لایحل عند الروایۃ۔

(۸) محمد بن یزید کوفی۔ ابو حاتم نے کہا خبطی ہے۔ ابو ذرعہ نے کہا چور ہے اور خود بخاری نے کہا ضعیف ہے۔

(۹) معلیٰ ابن منصور رازی۔ احمد نے کہا کثیر الخطا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کذاب ہے۔ یحییٰ نے کہا ثقہ نہیں۔

(۱۰) یحییٰ بن ذکریا غسانی۔ ابوداؤد نے کہا ضعیف ہے۔ ابن معین نے کہا مجہول ہے۔ ابن حبان نے کہا لایجوز عند الروایۃ یحییٰ نے کہا کذاب ہے۔ دجال ہے۔ حدیثیں بنایا کرتا ہے۔

(۱۱) عتاب بن بشیر خرری۔ احمد نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہیں۔ ابن مہدی نے کہا متروک ہے۔

(۱۲) فلیح بن سلیمان۔ یحییٰ و ابو حاتم و ابوداؤد نے کہا ناقابل احتجاج ہے ابن معین و نسائی و ابو حاتم نے کہا قوی نہیں ثقہ نہیں۔ ابوداؤد نے کہا کچھ بھی نہیں۔ نسائی نے کہا بے انتہا ضعیف ہے سعید بن منصور نے کہا کثیر الخطا ہے۔ ابن عدی نے کہا راوی غرائب ہے۔

(۱۳) عکرمہ مولیٰ ابن عباس۔ یحییٰ بن سعید نے کہا جھوٹا ہے مالک نے کہا ناقابل اعتبار ہے۔ علی بن عبداللہ بن عباس نے کہا کذاب ہے خبیث ہے میرے باپ کے نام سے جھوٹی روایتیں کرتا ہے سعید بن مسیب نے کہا کذاب ہے

عطاء بن ابی رباح نے کہا جھوٹا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کذاب ہے۔ ابن ابی ذئب نے کہا ثقہ نہیں یحییٰ بن معین نے کہا دروغ باف ہے۔ ابن سعد نے کہا اس کی روائتیں ناقابل اعتبار ہیں۔

(۱۴) مروان بن حکم بن عاص۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا لعنت کردہ ملعون بن ملعون۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حکم بن العاص و مروان فی صلبہ جھوٹا فاسق قاتل طلحہ دشمن آل نبیؐ اس کی بھی روائتیں صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

صحیح بخاری ہو کہ صحیح مسلم آخر انسانی کتابیں ہیں ان میں غلطیوں کا رہ جانا کوئی بات نہیں۔ امام صاحبوں نے اپنے امکان تک جانچ پڑتال کی اور لاکھ دو لاکھ کے ذخیرہ سے جو کل کے کل آپ دونوں کے عندیہ میں صحیح تھے کاٹ چھانٹ کر یہ دو کتابیں ہمارے لئے چھوڑیں۔ انتی یا اسئی سے بڑھ کر ضعیف حدیثوں کا اس میں پایا جانا کوئی بات نہیں۔ مگر ان میں اوروں کی بہ نظر صحیح کی مقدار زیادہ ہے۔ رہا یہ عقیدہ کہ جو کچھ بخاری میں ہے وہ سب صحیح ہے۔ یا بخاری میں جو بات نہیں وہ غلط ہے محض عقیدت ہے۔ اور واقعہ اس کے برعکس ہے بخاری نے ایک لاکھ صحیح حدیثیں جو انکی شرط پر تھیں حفظ کیں۔ اور ان میں سے صرف چار ہزار اس کتاب میں درج کیں اور بقیہ ۹۶ ہزار صحیح حدیثوں کو بخوف طوالت، کتاب ترک کر دیا۔ پھر ایسی کتاب ساری صحیح حدیثوں کا کیونکر مجموعہ ہو سکتی ہے۔

سابقیت اسلام

مولانا کا یہ تخیل کہ جناب امیرؑ کا نمبر اسلام میں چوتھا بلکہ نواں تھا۔ اور جو آپ کے مضبوط ماخذ سے ماخوذ ہے۔ نہ نقلاً درست ہے اور نہ عقلاً صحیح ہے۔ آپ کے مضبوط ماخذ یعنی بخاری کی ہر دو روائتیں معلول اور سقیم ہیں۔ ہر دو میں ایک مشترک راوی اسمٰعیل بن مجالد ہے۔ جو ضعیف ناقابل اعتبار اور بے انتہا سقیم ہے۔ نسائی کہتے ہیں بے انتہا ضعیف ہے۔ حاکم کہتے ہیں ناقابل اعتبار ہے دارقطنی کہتے ہیں بالاجماع ضعیف ہے سعدی کہتے ہیں نامحمود شخص ہے ابوذرعہ کہتے ہیں نہ ادہر ہے نہ اُدہر ہے۔

اس ناقابل قبول روایت کو لئے ہوئے جمہور کے برخلاف جو جناب امیرؑ کو بعد حضرت خدیجہ سابق الاسلام مانتے ہیں۔ بخاری کھڑے ہوئے ہیں روایت بھی وہ جس میں پانچ گمنام غلاموں کا اسلام میں سابق ہونا ذکر کیا گیا ہے جناب امیرؑ کا بعد حضرت خدیجہ کے سابق الاسلام ہونا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرمالیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں مجھ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے علی ہیں۔ اس کی روایت امام احمد نے سیدنا عمر سے۔ طبرانی نے حضرت سلمان سے۔ بزار نے حضرت ابوذرؓ سے عقیلی نے براء ابن عازب سے امام احمد و طبرانی نے معقل بن یسار سے۔ دارقطنی نے ابوسعید خدری سے۔ دیلمی نے حضرت سعد و ابوسعید و ام سلمہ و جابر و اسما بنت عمیس سے حاکم نے معاذ سے عقیلی نے حضرت عائشہ سے۔ حاکم ابن عدی خطیب اور ابن اسامہ نے سلمانؑ سے۔ بزار نے حضرت علی سے حاکم نے ابویعلیٰ سے۔ ابونعیم نے

حضرت معاذ اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے کی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے اس فرمان کے بعد کسی اور کی شہادت نا قابل قبول ہے۔ مگر مزید قوت روایت
کے لئے صحابہ کی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ امام احمد نسائی و ترمذی و حاکم و
طبرانی نے حضرت زید بن ارقم[1] سے۔ ترمذی و بغوی نے حضرت انس[2] سے طبرانی
واحد نے حضرت جابر[3] و ابو رافع[4] سے طبرانی و حاکم نے حضرت انس[5] سے۔ ترمذی
طبرانی و حاکم و ابن جریر نے ابن عباس[6] سے طبرانی نے حضرت جابر[7] سے۔ ابن
عبد البر نے حضرات ابن عباس[8]، سلمان[9]، ابوذر[10]، خباب[11]، مقداد[12]، زید بن
ارقم[13]، جابر[14]، ابو سعید خدری[15]، حضرت عباس[16] اور ابن مسعود[17] سے۔ حاکم نے
ابو موسیٰ[18] و زید بن ارقم[19] سے۔ امام شافعی۔ طیالسی۔ ابن ابی شیبہ امام احمد
و ترمذی، حاکم و بیہقی و ابن عبد البر و ابن ابی خیثمہ نے زید بن ارقم[20] سے
طبرانی و ابن عبد البر و عبد الرزاق و حاکم و ابن سعد نے ابن عباس[21] سے
امام ابو حنیفہ احمد و نسائی و حاکم و بزار و ابو یعلیٰ نے حضرت علی[22] سے روایت
کی ہے کہ بعد حضرت خدیجہ کے علی ابن ابی طالب سابق الاسلام ہیں
محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں یہ بھی لکھ دیا
ہے کہ جناب امیر کے سابق الاسلام بعد خدیجہ ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

ان روایات کو ترمذی و حاکم و ابن عبد البر اور ابو جعفر طبری اور ضیا
مقدسی اور ابن حجر نے صحیح مانا ہے اور عفیف کندی والی روایت کہ نئے دین
پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و خدیجہ و جناب امیر کے سوا کوئی چوتھا روئے
زمین پر نہ تھا اسی دن میں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا تو میرا نمبر چوتھا ہوتا۔

اس کی روایت خود بخاری نے تاریخ میں، ابن اسحٰق و امام احمد و طبرانی و ابویعلیٰ و حاکم و بغوی و ابن عبدالبر اور نسائی نے اپنی تصنیفوں میں کی ہے اور یہ حدیث ترمذی، ابن عبدالبر، ابوجعفر طبری، ابن حجر و سیوطی کے عندیہ میں درجہ صحیح کی ہے۔ اتنی زبردست شہادتوں کے مواجہ میں تنہا بخاری کی روایت وہ بھی معلول اور سقیم کس کام کی؟

ہجرت کا واقعہ

جیسے حضرت ابوبکر کا واقعہ قرآن میں وثانی اثنین اذ ھما فی الغار سے مفہوم ہے۔ ایسے ہی حضرت علی کا بستر رسولؐ پر آپ کی چادر اوڑھے سونا آیت ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد سے مترشح ہے۔ جیسے "صاحب" کی تشریح میں متعدد صحابہ نے حضرت ابوبکر کا نام لیا ہے۔ اسی طرح تفسیر من یشری نفسہ میں کئی صحابہ نے جناب امیر کا نام لیا ہے اگر اس کو امام بخاری نے بقول علامہ ابن رحیہ اندلسی بدأ نا بھما اوردہ مسلم لانہ اوردہ بکمالہ وقطعہ البخاری واسقط فیہ علی عادتہ کما ھو ذی د مما عیب علیہ فی تصنیفہ علی ماجری ولاسیما اسقاطہ لذکر علی ابن ابی طالب۔ محض نام علی آنے کی وجہ سے ساقط فرمادیا ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں جب کہ ۹۶ ہزار صحیح حدیثیں اس کتاب سے غائب ہیں۔ وہاں ایک کا کیا ذکر۔ مگر امام ابن اسحٰق کی سیرت میں سیرت ابن ہشام میں، تاریخ طبری میں، صحیح حاکم میں، مسند طیالسی میں مسند احمد و سنن ابوعوانہ و سنن نسائی و خصائص میں، تفسیر ابوحاتم و تفسیر

ثعلبی و واحدی و اسد الغابہ وغیرہم جیسی مستند کتب میں یہ واقعہ تمامہ موجود ہے اور شاہ ولی اللہ ہمارے شیخ الشیوخ بھی ازالۃ الخفاء میں اس کو لکھتے ہیں اور ذہبی جیسے متشدد اس کو حدیث صحیح فرماتے ہیں (مستدرک ص ۱۳۳ ج ا اور حاکم جیسے امام فن بخاری کو اس کے ترک کا طعنہ دیتے ہیں اور مولانا شبلی جیسے بخاری پرست نے سیرت جلد اول ص ۱۹۷ میں لکھا ہے یہ سخت خطرہ کا موقع تھا جناب امیر کو معلوم تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بستر قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔ پنڈت ہرنام صاحب کے اور مولانا فاروق صاحب کے معرکہ توہین صحابہ سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا تو یہ مقولہ ہے کہ جناب امیر نے جانبازی کی انتہا کر دی اور جناب ابوبکر نے جان نثاری کی حد کر دی رضی اللہ عنہما۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی علیؑ

مواخات نبیؐ و علیؑ کا تذکرہ بخاری میں نہیں نہ سہی مگر واقعہ سچا اور مستند شہادتوں سے ثابت ہے، ترمذی، حاکم، بغوی نے حضرت ابن عمر سے امام احمد نے زید بن ابی اوفی یعلیٰ بن مرہ، عمرو بن العاص ابن عباس اور حذیفہ رضی اللہ عنہم سے۔ ابن مردویہ نے حضرت زید بن ارقم سے۔ عبد اللہ بن احمد نے ابن عمر سے۔ طبرانی نے ابو رافع و ابن عباس سے ابن عساکر نے ابو امامہ سے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس اور زید بن ارقم سے ابن عبد البر نے ابو الطفیل سے۔ ابن مردویہ نے حذیفہ بن یمان سے ابو الحسن ابن المغازلی نے حضرت انس سے روایت کی کہ مہاجرین اور انصار کے مابین

مواخات قائم کرنے کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم دنیا میں بھی ہمارے بھائی ہو اور آخرت میں بھی ہمارے بھائی ہو، سولہ محدثین عظام اور بارہ صحابۂ کرام کی زبردست شہادت سے یہ واقعہ ثابت ہے۔ اس کا انکار ممکن نہیں۔

سدّ ابواب کا تذکرہ

حدیث سدّ واحد الابواب الا باب علی کی روایت نہ صرف ثابت اور صحیح ہے بلکہ کبار محدثین کے پاس متواترات سے ہے۔ سولہ[۱۶] صحابیوں سے تیرہ محدثین نے باسناد جید من وعن روایتیں کی ہیں۔ امام احمد نے مسند اور مناقب میں حضرت زید بن ارقم و براء بن عازب و سیدنا عمر و ابوہریرہ و ابن عمر و سعد رضی اللہ عنہم سے۔ امام نسائی نے حضرت ابن عباس و ابن عمر و حرب بن مالک و زید بن ارقم و سعد بن مالک و براء بن عازب سے۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت زید بن ارقم و براء سے۔ طبرانی نے سعد و ابن عباس و جابر بن سمرہ و ناصح بن عبداللہ اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے۔ ترمذی نے حضرت ابن عباس سے۔ ابن سمان نے حضرت ابوہریرہ سے۔ ابن المغازلی نے حضرت سعد سے۔ بیہقی نے حضرت ام سلمہ سے۔ ابوبکر بزار نے عمرو بن سہیل سے۔ ابن مردویہ نے حضرت علی سے۔ ابن عساکر نے عثمان بن عبداللہ سے اور ابوسعد نے شرف النبوۃ میں حضرات سعد و جابر بن عبداللہ سے اس سد ابواب الی حدیث کی روایت کی ہے۔

تنقید حدیث

علامہ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں الا باب علی کی نسبت لکھتے ہیں کہ امام احمد و نسائی کی حدیث سعد کے سارے طرق قوی اور ثابت ہیں۔ طبرانی نے بھی اس کی ثقہ راویوں سے روایت کی ہے دوسری حدیث

زید بن ارقم مرویہ احمد و نسائی کا ہر طریقہ قوی اور ان کے سارے رجال ثقہ و صدوق ہیں تیسری حدیث جابر بن سمرہ مرویہ طبرانی اور چوتھی حدیث ابن عمر مرویہ امام احمد کے کل راوی درجہ حسن کے ہیں۔ پانچویں حدیث ابن عمر مرویہ نسائی ہیں علاء بن عزار کے علاوہ (جو ابن معین اور احمد کے نزدیک ثقہ مگر اوروں کے نزدیک ثقہ نہیں) باقی سارے راوی ثقہ و صدوق ہیں جو امام احمد کے پاس حدیث صحیح ہے ترک بھی کر دیا جائے تو احادیث سعد و زید بن ارقم مرویہ احمد و نسائی سب کے پاس صحیح ہیں اور احادیث جابر بن سمرہ مرویہ طبرانی اور حدیث ابن عمر مرویہ امام احمد حدیث حسن ہے اور ثبوت کے لئے یہ بہت ہیں۔

مطابقت روایات حافظ احمد بن عمر عبد الخالق صاحب مسند و تلمیذ خاص امام بخاری نے اپنی مسند میں اور امام طحاوی حنفی نے مشکل الآثار میں ان دونوں روایتوں کی یوں تطبیق کی ہے کہ باب علیؑ کے سوا سارے دروازے بند ہونے کا حکم ہوا۔ تو سب دروازے بند کئے گئے سوائے دروازہ علی کے مگر ان صحابہ نے جن کے مکان مسجد کے ارد گرد تھے نماز کے اوقات کی آگہی کے لئے جانب مسجد کھڑکیاں رکھ لیں۔ جس پر دوبارہ ان کے بند کرنے کا حکم ہوا اور حضرت ابوبکر کی کھڑکی کھلی رکھی گئی۔

محاکمہ ابن حجر بہ نسبت حدیث خوخہ حضرت ابوبکر خوخہ والی روایت بخاری کی ہے باب علی والی حدیث سعد و زید بن ارقم مرویہ احمد و نسائی اور روایت جابر مرویہ طبرانی و روایت ابن عمر مرویہ احمد عند الجمہور صحیح و ثابت ہیں۔ امام بخاری کی روایت میں اضطراب ہے۔

کہیں خوخہ کا لفظ ہے اور کہیں باب کا اور دونوں کے معنی جُدا جُدا ہیں۔ اس کے راوی فلیح بن سلیمان بن ابی مغیرہ جو حضرت ابو سعید سے تیسرے ہیں مجروح اور ضعیف ہیں۔ ابو حاتم نے بروایت معاویہ بن صالح نقاد فن یحییٰ بن معین سے فلیح کا غیر ثقہ ہونا نقل کیا ہے۔ ابو داؤد نے تو ان کو لیس بشیٔ لا یحوز عند الدرایۃ لکھا ہے۔ نسائی کہتے ہیں کہ یہ وہمی اور بے انتہا ضعیف ہیں۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ راوی غرائب و مناکیر ہیں۔ اور سعید بن منصور کا قول ہے کہ یہ کثیر الخطا ہیں (تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۸ صفحہ ۳۰۴) دوسری روایت ابن عباس مرویہ بخاری خود ان صحیح روایات ابن عباس مرویہ احمد و ترمذی و نسائی متعلقہ باب علی کے مخالف ہے۔ چنانچہ یہ بھی ائمہ محدثین کے نزدیک صحت کے معیار سے گری ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کا راوی عکرمہ غلام ابن عباس ہے جو سخت خارجی اور ناصبی ہونے کے علاوہ کذاب اور حدیث وضع کرنے والا ہے۔ یحییٰ ابن سعید کا قول ہے عکرمہ کذاب ہے۔ امام مالک کا بیان ہے کہ وہ ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت ابن عباس کے فرزند علی کا کہنا ہے کہ عکرمہ کذاب ہے، خبیث ہے اور دجال ہے۔ میرے باپ کے نام سے حدیثیں بنا بنا کر روایت کرتا ہے۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کہتے ہیں کہ عکرمہ جھوٹا ہے۔ سعید بن مسیب خیر التابعین کا قول ہے کہ عکرمہ کذاب ہے۔ عطا بن رباح اجل تابعی کا قول ہے کہ عکرمہ کذاب ہے اور ابن عباس کی طرف سے حدیثیں بنا بنا کر روایت کرتا ہے۔ علامہ ابن سیرین کا بیان ہے کہ عکرمہ کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے تھے عکرمہ کذاب ہے۔ ابن ابی ذئب نے کہا ثقہ نہیں ہے، ابن سعد نے کہا لا یحوذ

عند الدرایۃ۔ علی المدینی، عطاء بن ابی رباح تابعی جلیل۔ خیر التابعین سعید بن المسیب۔ یحیٰی ابن کبیر اور مصعب بن زبیر کہتے ہیں کہ عکرمہ سخت خارجی ہے لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز تک نہ پڑھی۔ غور کا مقام ہے کہ یہ روایت جس میں عکرمہ ہو کس حیثیت کی ہو سکتی ہے۔

یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ جامع بخاری عکرمہ جیسے جھوٹے اور واضع احادیث کی روایتوں سے اور مروان لعین بن لعین جیسی شخصیت کی روایتوں سے تو مالامال ہے مگر سید التابعین اویس قرنی اور امام الصادقین امام جعفر علیہ السلام کی روایتوں سے معرٰی ہے۔ مروان اور عکرمہ تو بخاری کے نزدیک مقبول مگر اویس قرنی اور جعفر صادق نامقبول۔ اے سبحان اللہ۔

علامہ ابن جریر طبری اور عینی شارح بخاری کا کہنا یہ ہے کہ مسجد نبوی سے ملحق سیدنا ابوبکر کا کوئی مکان نہ تھا۔ ہجرت پر آپ بنی عبد عوف میں مقیم رہے اور اسی مکان میں حضرت عائشہ کا زفاف بھی ہوا (بخاری) اور یہیں عبداللہ بن زبیر آپ کے نواسے پیدا ہوئے یہاں سے مسجد تک تقریباً میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ تھا (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ہفتم صفحہ ۶۰۰) ایام عالت نبوی میں آپ مقام سنخ میں جو حوالی مدینہ سے ہے رہتے تھے بوقت رحلت رسالت مآب اور کئی دن بعد رحلت بھی یہیں مقیم تھے۔ امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب المناقب اور کتاب الجنائز میں بھی لکھا ہے اقبل ابوبکر علی فرسہ من مسکنہ بالسنح۔ خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہونے کے چھ مہینے بعد تک بھی اپنے مکان مقام سنخ میں رہتے تھے وہاں سے

علی الصباح مدینہ منورہ کبھی پیدل کبھی گھوڑے پر آیا کرتے تھے۔ عشا کی نماز پڑھ کر پھر واپس جاتے تھے۔ آپ کبھی نہ آتے تھے تو آپ کی جگہ عمر بن الخطاب نماز پڑھا دیا کرتے تھے۔ (تاریخ طبری ص ۲۱۴۲)

مولانا فاروق کا یہ ذم آمیز کلام۔ کہ یہ بزرگوار سپاہی تھے اور حضرت ابوبکر وزیر اور۔ ظاہر ہے کہ وزیر اور سپاہی کی ذمہ داریوں اور کاموں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یقیناً قابل استحسان نہیں۔ تحقیق تو یہ ہے کہ حضرت حمزہ بنی ہاشم فرزند عبدالمطلب، عم رسول اللہ اور شیر خدا اور شیر رسول خدا تھے۔ حضرت عبیدہ رسول اللہ کے چچازاد بھائی اور حضور کے فدائی تھے۔ رہے حضرت علیؑ آپ آنحضرتؐ کے دین و دنیا میں بھائی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے داماد، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور خدا کے محبوب، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مشیر اور شیخین کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور خلیفہ تھے (بخاری و مسلم، ترمذی ونسائی) حدیث یا علی انت اخی وصاحبی ووزیری مرویہ احمد وطبرانی و ابن ابی شیبہ از سلمانؓ و ابوذرؓ اور حدیث انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔

اس پر دو ثقہ شاہد ہیں۔ جناب ابوبکر ہوں کہ جناب عمر جناب علیؑ ہوں کہ جناب حمزہ ہر فرد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یار جاں نثار حقیقی مشیر، وزیر با تدبیر اور فدائی تھا۔ اسی جنگ میں حضور نے مع احمد کما جبرئیل و میکائیل مرویہ احمد و نسائی وابن ابی شیبہ۔ حضرات علیؑ و ابوبکر کی نسبت فرمایا اور اسد اللہ واسد رسولہ حضرت حمزہ کے متعلق فرمایا تھا جس کے

ذمہ جو کام سپرد ہوا اس کو اس نے جاں نثاری سے انجام دیا۔ جناب امیر آپ کی نگاہوں میں ایک معمولی سپاہی نظر آئیں تو کوئی حرج نہیں۔ مگر نگاہِ رسالت مآبؐ میں علی فاتح بدر و حنین اور خیبر و احد کے ہیرو تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی سیرت النبی جلد اول صفحہ ۲۵۷ میں فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے راوی غزوہ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب ہیں۔

شرف زوجیت فاطمۃ الزہرا

یہ وہ مہتم بالشان افتخار اور سرافراز و قار تھا کہ آپ کے بقول ان دونوں بزرگوار نے بھی جن کی صاحبزادیاں مسلمانوں کی مائیں بن چکی تھیں، اس اعزاز خصوصی کے حصول میں سعی کی تھی۔ ملاحظہ ہوں احادیث مرویۂ احمد و ابو حاتم و نسائی و عبد الرزاق وغیرہم و مرویات ابن حجر فی اصابہ و ابن سعد فی الطبقات و ابن اثیر فی اسد الغابہ و ابو جعفر فی تہذیب الآثار و مواہب عسقلانی چونکہ تزویج فاطمہ بر وحی آسمانی تھی۔ ارشاد ہوا مجھے وحی کا انتظار ہے (امام احمد۔ ابو حاتم۔ ابن ابی شیبہ و حاکم) اتنے میں وحی نازل ہوتی ہے ارشاد فرماتے ہیں۔ خدا نے فاطمہ کا عقد علی سے کر دینے کا امر فرمایا ہے۔ احمد و ابو جعفر و طبری و طبرانی و ابن شاذان و ابن السمان و بیہقی و خطیب و ابن عساکر و حاکم از حضرات انس و جابر و ابن عباس۔

مولانا کے اس جملہ کا (بلکہ خود حضرت علی کی مائیں بن چکی تھیں) حضرت ابوبکر اور عمر کی مائیں بھی تو ہو چکی تھیں۔ کافی جواب ہے۔ آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں کہ دامادی دوسرے درجہ کی چیز تھی۔ اس لئے دوسرے درجہ کے لوگ

اس سے مشرف ہو سکتے تھے۔ یہ کلمہ صداقت و ادب سے گرا ہوا ہے۔ دامادی
رسولؐ تو ایک مختص شرف ہے۔ مگر زوجیت فاطمۃ الزہرا اس مختص شرف میں بھی
اعلےٰ سے اعلےٰ ہے۔ یہ وہ شرف ہے جس کی تمنا کا اظہار وہ بزرگ بھی فرمایا
کرتے تھے جن کی صاحبزادی مسلمانوں کی ماں بن چکی تھیں۔ امام احمد ابن ابی
شیبہ، ابن مندہ۔ ابو یعلیٰ، حاکم و ابن نجار سے مروی ہے کہ حضرت عمر فرمایا
کرتے تھے کہ جناب امیرؑ کے تین شرف سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتا تو
مجھے حُمر نعم سے بھی محبوب تر ہوتا۔ ایک تو فاطمہؑ جیسی بی بی کا علیؑ کو ملنا۔ دو
مسجد میں صرف ان کا دروازہ کھُلا رہنا۔ اور یوم خیبر کو رایت کا ملنا یہ وہ شرف
افتخار ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یا علی اوتیت ثلاثا
لم یوت احد ولا انا اوتیت صھرا مثلی ولم اوت انا مثلی و اوتیت
صدیقۃ مثل بنتی ولم اوت مثلھا و اوتیت الحسن والحسین من صلبک
ولم اوت من صلبی مثلھما ولکنکم منی و انا منکم ۔ اس کی روایت دیلمی
نے ابن حجر عسقلانی نے ابو سعد نے شرف نبوت میں اور امام علی الرضاؑ نے
اپنی مسند میں اور ابو الحسن ملا نے سیرت میں کی ہے۔ یعنے اے علیؑ تم کو تین
باتیں ایسی حاصل ہیں جو مجھے بھی حاصل نہیں اور نہ کسی کو حاصل ہیں۔ تم کو
مجھ جیسا خسر ملا۔ مجھ کو مجھ جیسا خسر نہ ملا۔ تم کو میری بیٹی جیسی صدیقہ ملی مجھ کو
ایسی نہ ملی۔ تم کو حسنینؑ جیسے بچے ملے مجھ کو ان جیسے بچے نہ ملے۔ مگر تم سب
میرے اور میں تمہارا ہوں۔ یہ وہ شرف ہے جس کا ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم یوں فرماتے ہیں لولم یخلق علی ماکان لفاطمۃ کفو جامی نے اس کا ترجمہ خوب فرمایا

گر علی خود نمی شدے مخلوق ہم نمی داشت فاطمہ ہم سر

حضورؐ نے ارشاد فرمایا فاطمۃ بنت محمد سیدۃ نساء العالمین سیدۃ نساء المومنین سیدۃ نساء اھل الجنۃ (امام احمد از حضرت عائشہؓ) اور فرمایا۔ یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء العالمین و سیدۃ نساء المومنین و سیدۃ نساء ھذہ الامۃ (از حضرت عائشہ ذہبی نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے مستدرک جلد ۳ ص ۱۵۶) سیدہ نساء عالمیاں و سیدۃ نساء امت و سیدہ نساء اہل جنت کے شوہر بننے کا شرف اسی کا حصہ تھا جو زبان رسالتؐ سے امیر المومنین سید المسلمین (حاکم۔ بزار۔ ابن مردویہ۔ ابو نعیم) سید ارین (احمد و حاکم) نبیوں اور رسولوں کے سوا باقی ساری اولاد آدمؑ کا سردار (ابن مردویہ و خوارزمی) امام البررہ (حاکم) نفس رسول اللہ (خوارزمی ابن نجار و ابو یعلی) نظیر رسول اللہ (طبرانی۔ ابو جعفر۔ طبری۔ دیلمی و ابن عساکر) خدا و رسول کے محبوب ترین (نسائی۔ حاکم، امام احمد) ہونے کا شرف یاب تھا۔

مولانا کے عندیہ میں جناب علیؑ درجہ دوم کے شخص ہوں گے۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ اعلےٰ درجہ کے انسان تھے محبوب خدا و رسولؐ تھے (بخاری و مسلم، حاکم و ترمذی نسائی) بہترین خلق تھے (علی خیر البشر من ابی فقد کفر۔ رواہ ابن مردویہ عن حذیفہ والحاکم عن ابن مسعود واحمد والخطیب عن جابر و ابو یعلی والشاذان عن علی) اول مومن اعلم باللہ اور اعظم عند اللہ تھے (احمد و دیلمی عن عمر بن الخطاب والحاکم عن ابی ہریرہ)

اہل بیت نبیؐ ہیں نحن اھل البیت لا یقاس بنا احد (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ

(۱ابن نجار و ابو یعلیٰ والخطیب فی المتفق والمفترق)

انذار عشیرۃ الاقربین

جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ بعثت کے چوتھے سال وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے انذار کا آپ کو حکم ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان یعنی گوشت روٹی اور دودھ مہیا کروں اور بنو عبد المطلب کو دعوت دے آؤں۔ تقریباً چالیس بنی عبد المطلب جن میں آپ کے چار چچا ابو طالب ابولہب، حمزہ اور عباس بھی تھے دعوت پر آئے۔ بعد طعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مخاطب فرمایا کہ خدا نے کل بنی آدم پر اور خصوصاً تم پر مجھے اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے کون تم میں سے میرا شریک کار اور حامی ہو سکتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوا چاہتا ہے تین مرتبہ کے بعد بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ تو میں نے کہا۔ میں سب میں کم سن کم زور اور ناتواں ہوں مگر میں تا زیست آپ کا ساتھ دوں گا اور آپ کا مدد و معاون رہوں گا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پیٹھ ٹھونکی اور قوم سے فرمایا (ھذا اخی ووصی ووزیری وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا) "یہ میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور تم میں میرا خلیفہ اور نائب ہے اس کی سنو اور اطاعت کرو"۔ ہماری برادری نے اس کا مضحکہ اڑایا۔ اور میرے باپ ابو طالب سے کہا۔ لو اب اپنے بیٹے کی اطاعت کرتے رہو۔

تقریباً انہیں لفظوں میں یا کم و بیش یہ واقعہ مسند امام احمدؒ و مناقب امام احمد و مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ خصائص نسائیؒ و سیرت ابن اسحاق و تاریخ طبری

وتہذیب آثار طبری و دلائل بیہقی و ابونعیم و تاریخ ابوالفداء تاریخ خمیس تفاسیر ابن مردویہ و واحدی و ابن ابی حاتم و معالم بغوی میں موجود ہے ملاحظہ ہوں خصائص نسائی ص۱۳ مسند احمد ص۳۶ جلد سوم کنز العمال جلد ۶ ص۳۹۷ تفسیر معالم بغوی ص۶۶۳ مطبوعہ بمبئی۔ تاریخ ابو جعفر طبری جرمن ص۱۱۷۳ مگر مصر کی مطبوعہ تاریخ طبری جلد ۹ ص۶۸ میں وصی و خلیفتی کے بجائے کذا و کذا درج ہیں جو موجودہ ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے تو غضب ہی کر دیا۔ سرے سے اس واقعہ کا ذکر نہ مذکور بلکہ باب نزول وانذر عشیرتک الاقربین کے تحت آپ نے بخلاف جمہور جو قصہ درج فرمایا ہے وہ کوئی اور ہی ہے۔ نہ اس میں کوئی دعوت کا تذکرہ ہے۔ نہ جناب امیر کا ذکر مذکور ہے اور نہ وزیر و خلیفہ کا کوئی اشارہ یا کنایہ ہے۔ بخاری میں اس کی تین روایتیں ہیں اور تینوں میں بجائے انذار عشیرتک الاقربین کے خلاف آیاتِ قرآنی انذار قریش و قبائل بنی فہر بنی لوئی و بنی عدی وغیرہم مذکور ہے۔

(۱) دو روایتوں کے راوی اول حضرت عبداللہ بن عباس ہیں جو باتفاق ارباب سیر و تاریخ ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں متولد ہوئے اور یہ واقعہ انذار عشیرت بعثت کے تین سال بعد ہوا۔ گویا حضرت عبداللہ عالم وجود میں آنے کے سات سال پہلے سے ہی اس واقعہ کے شاہد عینی رہے تھے۔

(۲) ابن عباس والی روایت کی ابتدا لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین و رھطک منھم المخلصین سے بخاری نے کی ہے چونکہ بخاری بعض اکے نزدیک اصح الکتب ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ و رھطک منھم

خصوصیت بھی آیت قرآنی وکلام ربانی ہے جو انذر عشیرتک الاقربین کا
ٹکڑا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل تو ہوئی مگر بعضوں نے
اس کو قرآن سے خارج کر دیا (نعوذ باللہ) بخاری کو مانیں کیوں اور ان
تاویلات میں پڑیں کیوں؟

(۳) تیسری کے راوی اول حضرت ابوہریرہ ہیں جو بہ اتفاق ۷ھ
میں بمقام خیبر یا دوران سفر خیبر مسلمان ہوئے اس وقت آپ کی مسیں بھیگنے
لگی تھیں اور آپ کا سن وفات ۵۷ھ یا ۵۹ھ ہے گویا آپ بھی اس انذار
عشیرت کے وقت دو تین سال کے ماشاء اللہ ہوں گے۔ اور اس عمر میں
بقول بخاری آپ نے اس قصہ کا معائنہ فرمایا تھا۔

(۴) روایت ابوہریرہ میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بھی مخاطب الفاظ۔ "اے فاطمہ اپنی آپ دیکھ لو محمدؐ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے"
(نعوذ باللہ) ہوئی ہیں۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ بقولے سہ سالہ وبقولے چار سالہ
یا پنج سالہ لڑکی نہ اس کی مخاطب بن سکتی ہے اور نہ ان الفاظ کی وہ مستحق ہو سکتی ہے
خصوصاً جب کہ حضرت فاطمہ یوم گویائی ہی سے کلمہ گو رہی ہیں اور یہ مخاطبت محض
کفار سے تھی۔ ابن حجر جیسے سرپرست بخاری بھی فرماتے ہیں وفی نداء فاطمۃ یومئذٍ
ایضاً ما یقتضی تاخر القصۃ لانہا کانت حینئذٍ صغیرۃ (فتح الباری ج ۳۷ ص ۳۱)

(۵) امام بخاری نے انذار عشیرت والے قصہ سے گریز فرمایا اور آیت
انذر عشیرتک الاقربین کے تحت نزول تبت یدا والے قصہ کو صفا
کو اس لئے یہاں درج فرمایا کہ جناب امیرؑ کا کوئی ذکر مذکور نہ ہونے پائے۔

حالانکہ نزولِ آیت وانذر عشیرتک الاقربین کے تین سال بعد کوہ صفا والا معاملہ ہوا۔ اور سورہ تبت نازل ہوئی۔

(۶) تمام مفسرین اور مورخین اہل سیر اور محدثین کا اتفاق ہے کہ نزول تبت یدا ابی لہب بعد محاصرہ شعب ابی طالب ہوا محاصرہ یکم محرم ۷ بعثت کو شروع ہوا اور تین سال رہنے کے بعد ۱۰ نبوی کو ختم ہوا۔ اور انذار عشیرت سن چار نبوی میں ہوا نہ معلوم بخاری نے کس مصلحت کی بنا پر واقعہ انذار عشیرت کو حذف کر کے اس کی جگہ ایک چار سال بعد والے واقعہ کوہ صفا کو آیت انذار عشیرت کے تحت درج فرمایا۔

(۷) معاہدہ قریش کی رو سے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب جب محصور ہو گئے تو ابولہب بنی عبد المطلب سے جدا ہوا اور قریش سے جا ملا۔ فلما فعلت ذالک قریش اجتازت بنو ہاشم وبنو عبد المطلب الی ابی طالب فدخلوا معہ فی شعبہ واجتمعوا الیہ وقد خرج من بنی ہاشم ابولہب الی قریش (سیرۃ ابن ہشام جلد اول ص۱۲۳ و تاریخ طبری جرمن)

(۸) یہ محاصرہ ۷ نبوی سے شروع ہوا اور ۱۰ نبوی کے پہلے دن ختم ہوا و فی التاریخ الخمیس ص۳۳۵ و فی السنۃ السابعۃ من النبوۃ اوالثامنۃ منہا علی ما فی المنتقی تقاسمت قریش وتعاھدوا علی معاداۃ بنی ھاشم وبنی عبد مطلب گویا نزول تبت یدا اور واقعہ صفا بعد ارتفاع محاصرہ یعنی ۱۰ نبوی میں واقع ہوا۔

امام بخاری کی مصلحتوں کو وہی جانیں مگر آپ کے حذف واقعہ

انذار عشیرت اقربین اور اندراج واقعہ کوہ صفا و نزول تبت یدا اور باب انذر عشیرتک الاقربین سے آپ کے ہوا خواہ ابن خزیمہ و اسمٰعیلی بھی چکرا گئے اور آخر انہیں کہنا پڑا کہ انذار عشیرت والا معاملہ صدر اسلام کا ہے جب کہ نہ ابن عباس پیدا ہوئے تھے اور نہ ابو ہریرہ سے کوئی واقف تھا۔

بخاری کی روایت انذار عشیرت کی اب کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب کہ اس کے ایک راوی ابن عباس اس وقت پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور دوسرے راوی ابو ہریرہ بمشکل ڈھائی تین برس کے ہوں تو ہوں۔ انذار عشیرت والی حقیقی روایت کو ترک کر کے کوہ صفا والی روایت کو آیت وانذر عشیرتک الاقربین کے تحت میں درج کرنا اور شاہد عینی جناب علی سے روایت نہ لے کر ایسی ہستی سے اس کو مروی کرنا جو عالم وجود ہی میں نہ آئی ہو اور واقعہ کے وقت اس کے پیدا ہونے ہی میں سات برس درباقی ہوں یقیناً اصح الکتب کے شایان شان ہے۔

بخاری کے چھپائے نہ چھپنے والے واقعہ انذار عشیرت کا تذکرہ تفسیر خازن۔ تفسیر سراج منیر۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر واحدی۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن ابی حاتم۔ تفسیر معالم التنزیل امام بغوی۔ کنز العمال۔ دلائل بیہقی۔ دلائل ابو نعیم حلیۃ الاولیا۔ ذخیرۃ المآل عجلی۔ مختارہ ضیاء مقدسی۔ تہذیب الآثار طبری۔ اکتفاء عاصمی۔ کامل ابن اثیر۔ تاریخ ابو الفداء۔ تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ حبیب السیر۔ معارج النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ صاحب میں موجود ہے اس کا انکار اور اخفا ممکن نہیں۔

علاوہ بریں مصنفین یورپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ جان

ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی میں لکھتے ہیں کہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دو مرتبہ اپنے مخالفین کی دعوت کی اور اپنی تقریر اس پر ختم کی۔ کہ کون میرا ساتھ دے گا اور میرا وزیر اور میرا خلیفہ بنے گا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ نوجوان بہادر علی نے للکار کر کہا۔ "میں آپ کا ساتھ دوں گا۔" اس پر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کہا۔ "تو میرا بھائی میرا وزیر اور خلیفہ ہے۔"

(۲) کارلائل اپنی کتاب ہیروز میں لکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ مجمع جس میں علی کے والد ابوطالب بھی تھے۔ کھلم کھلا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ابھی تک مخالف نہ تھا۔ مگر سب کو اس کا اچنبھا تھا کہ ایک ادھیڑ آدمی اور پندرہ سالہ لڑکا دنیا کو اپنا رام کریں گے مضحکہ خیز تھا۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ دعویٰ درست تھا۔

(۳) ارون اپنی کتاب خلفائے محمدؐ میں لکھتے ہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دوبارہ بنی ہاشم کو اپنے گھر بلایا اور ان کی ضیافت کی اور پھر کھڑے ہو کر خدا کے الہامی حکم سے انہیں نئے دین پر بلایا اور کہا۔ "کون میرے اس امر میں میرا وزیر اور میرا جانشین ہو گا۔" سب تو چپ رہے مگر نوجوان علی نے کہا "میں حاضر ہوں۔" محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنی باہیں علی کی گردن میں ڈال دیں اور سینہ سے لگایا اور بہ آواز بلند کہا۔ "تم سب لوگ میرے بھائی میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھ لو اور اس کی فرماں برداری کرو۔" اس پر لوگوں نے ایک قہقہہ لگایا اور اس کم سن خلیفہ کے باپ ابوطالب سے کہا اب بیٹے کے سامنے جھکے رہیئے۔

(۴) گبن اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کہ اس مجمع میں ایک علیؓ ہی نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور آپ کے وزیر اور جانشین بنے۔

بزعم فاروق صاحب اگر پنڈت جی نے تذکرہ احد میں حضرات شیخین کی توہین کی ہے۔ تو واقعات مشہور کے خلاف اور منافی ادب ہے۔ اس کا جواب آپ کو تو ہیا امیرؓ سے دینا نہ چاہیئے تھا۔ بخاری و مسلم امام احمد و ابو حاتم ابن ابی شیبہ و ابن اسحٰق تو یک زبان ہو کر کہیں کہ اُحد کے دن مہاجرین میں حضرات علیؓ و ابو بکرؓ و ابن عوف و سعد و طلحہ و زبیر و ابو عبیدہ حضور کے ساتھ ساتھ تھے اور انصار میں حضرات ابو دجانہ، سہل ابن حنیف، اسید بن حضیر، حباب بن منذر سعد بن معاذ اور عاصم سب کے جمے رہے۔ اس کے خلاف کوئی اگر ہزار کہے تو مانے کون؟ رہا صحابہ کا انتشار خصوصًا بعد خبر شہادت سید ابرار ایک فطری امر تھا جب سر ہی نہ رہا تو دستار کہاں؟ انہیں تو خداوند تعالےٰ ولقد عفا اللہ عنھم کی تحریری معافی دے اور دوسری طرف ہم انہیں خاطی اور مجرم بنائیں!

مولانا کا بار بار یہ کہنا کہ حضرت علیؓ ایک معمولی سپاہی تھے اور شیخین وزراء تھے یقینًا ہجو ملیح ہے۔ توہین خلفاء اگر عادت ثانیہ تھی تو قلم ہی نہ اٹھاتے۔ یاران رسولؐ کی ہجو ہی اگر مضمون نگاری ہے تو ایسی مضمون نگاری کو ہمارا دور سے سلام ہے۔

جناب امیرؓ نہ صرف معمولی سپاہی تھے۔ بلکہ امت بھر کی طرف سے آپ مجاہد تھے۔ اور کفی اللہ المومنین القتال (بعلی)، کے مصداق تھے۔ حضرت ابن مسعود نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ساری امت کی طرف سے اللہ تعالےٰ نے جناب امیرؓ کا جہاد قبول فرمایا (ابن ابی حاتم ثعلبی، واحدی، حافظ ابن عساکر خطیب

و دُرِ منثور سیوطی مہبطِ وحی کا فتنے تھے۔ ابن اسحٰق امام احمد احمد ابو الحسن بن عرفہ عن ابی رافع و ابن عباس، بریدہ و جابر رضی اللہ عنہم و مرویہ قسطلانی و زرقانی و طبری و سبط ابن جوزی و خوارزمی و شیخ دہلوی و صاحب روضۃ الاحباب۔

(۳) بشارت یاب لم یرجع حتی یفتح اللہ علیہ تھے (ابن اثیر از بریدہ و ابن ابی شیبہ و احمد و بزار و حاکم و نسائی و طبری از ابو ہریرہ۔ ابن ابی شیبہ و حاکم و بزار و احمد از امام حسنؓ)، (۴) مخاطب کرار غیر فرار تھے (نسائی و احمد از ابن ابی لیلےٰ و ابن اسحاق از حضرت ام سلمہ و امام احمد و ابن جریر طبری و ابن ابی شیبہ از حضرت علیؓ و دار قطنی و خطیب و ابن عساکر از حضرت عمر) (۵) ہم رکاب جبرئیل و میکائیل تھے (احمد و ابن ابی شیبہ و طبری و خطیب و ابن عساکر از حضرات عمر و علی) (۶) علم بردار نبی تھے (وھو الذی کان لواءہٗ معہ فی کل زحف) ترمذی و نسائی و ابن عبدالبر و بزار از ابن عباسؓ (۷)، حامل لواءِ حمد بروز حشر یہی ہیں (ابن جریر از جابر بن سمرہ خوارزمی از علی، دیلمی از انس۔ شاذان از علی و احمد از ابن عمر و ابن اثیر از ثعلبہ راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا بروز قیامت علیؓ ہی حامل لواءِ حمد ہو گا۔ (۸) جنگ بدر کے ہیرو تھے۔ (سیرت ابن اسحٰق طبری مسند احمد۔ صحیح حاکم ابن اثیر اور سیرت النبی جلد اول صفحہ ۲۵۷)، (۹) احد کے سورما تھے۔ ابن اسحٰق حاکم: احمد اور مدارج شیخ دہلوی فرماتے ہیں۔ "و سے رضی اللہ عنہ حق مبارزت و محاربت و جلادت و شجاعت بجائے آورد و لہ فوق آں تصور نہ تواں کرد۔ مگر چوں علی مرتضےٰ ایں مردانگی کرد و نصرت داد جبرائیل بہ آنحضرتؐ گفت کہ ایں کمال مواسات و جواں مردی است کہ علیؓ با تو می کرد۔ آنحضرتؐ فرمود

ندمنی وانا منہ آں گاہ جبرائیل فرمود انا منکما بعد ازاں آواز غیب شنیدند "لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار" اس ندائے آسمانی کی تصدیق سیرت ابن اسحاق میں ابن عباس سے اور مسند احمد میں بریدہ سے کامل ابن عدی میں ابو رافع سے اور ابو جعفر کی تاریخ میں ابن عباس سے ص۱۴۰۲ پر ہوتی ہے۔ امام سیوطی نے حضرت علیؓ سے۔ قسطلانی نے مواہب میں ابن عباس سے محب طبری نے ریاض میں۔ خوارزمی نے مناقب میں۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں۔ جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں اور فضل اللہ روزبہان نے کشف الغمہ میں تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے۔ (۱۰) فاتح جنگ احزاب تھے شیخ دہلوی مدارج میں فرماتے ہیں۔" القصہ محاربہ و مقاتلہ میاں دو لشکر واقع شد۔ خصوصاً از علی مرتضیٰ دریں غزوہ مبارزت ہا و مقاتلہ ہا واقع شد از حد قیاس و عقل بیروں چنانچہ در اخبار وارد شدہ است لمبارزۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ یوم خندق والی علیؑ کی لڑائی میری امت کے اعمال تاقیامت سے افضل ہے۔ اس کی روایت حاکم نے صحیح میں دیلمی نے فردوس میں خوارزمی نے مناقب میں فخر رازی نے اربعین میں شیرازی نے القاب میں اور جمال محدث نے روضۃ الاحباب ص۳۲۷ میں کی ہے۔ (۱۱) قاطع باب خیبر تھے۔ جس کی روایت ابن ابی شیبہ و بیہقی و ابو نعیم و حاکم نے جابر بن سمرہ سے اور محمد بن اسحق نے ابو رافع سے کی۔ اور جس کی تخریج قسطلانی نے مواہب میں۔ ابن حجر نے صواعق میں اور ابو جعفر طبری نے تاریخ کبیر میں کی ہے (۱۲) وزیر رسول اللہ تھے۔

حدیث متواتر منزلت اور حدیث انت اخی وصاحبی ووزیری مرویہ امام احمد ونسائی وطبرانی وحاکم وابن مردویہ اس کے دو شاہد عادل ہیں (۱۳) مشکل کشائے غزوہ حنین تھے۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں ابن ہشام نے اپنی سیرت میں، حاکم نے اپنی صحیح میں، امام احمد نے اپنے مسند میں حضرات جابر و ابو رافع سے اس کی روایت کی ہے۔ ابن قتیبہ نے معارف اور کتاب امامت و سیاست میں ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابن مندہ نے حضرت انس سے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی کہ حضرت علیؑ کی جی داری اور بہادری سے مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا اور چالیس پہلوانوں کو آپ نے اس دن قتل کیا۔

تذکرہ حدیبیہ میں فاروق صاحب کا یہ فقرہ۔ "لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی حیثیت میں فرق تھا۔" دل جلا فقرہ ہے۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ آیت نہیں۔ حدیث نہیں جس کو مانیئے۔ وزیر کی حیثیت سے ہو یا مشیر کی صحابی کی حیثیت سے ہو یا خلیفہ کی دونوں ہم پلّہ اور مساوی تھے۔ بلکہ جناب امیرؑ میں اہل بیت رسولؐ، نفس رسول اور خون رسولؐ ہونے کی وجہ سے ایک خصوصی بات اور بھی تھی جس پر مرفوع شہادتیں بکثرت ہیں۔ (میرا اور علی کا خون ایک ہے) مرویہ ابو نعیم و ابن عساکر از ابن مسعود، دیلمی و عقیلی از ابن عباس، خوارزمی و طبرانی از حضرت علیؑ، ابو یعلی از ام سلمہ۔ علی میرا نفس ہے (مرویہ ابن نجار از عمرو بن العاص و نسائی و دارقطنی از حضرت علی و ابو یعلی از عبداللہ بن عمرو بن العاص و امام نطنزی از حضرت عائشہؓ و حاکم از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

میری جان کو میرے جسد سے جو نسبت ہے وہی نسبت علی کو مجھ سے ہے۔

اس کی روایت ابن نجار نے اور متقی نے حضرت ابن مسعود سے کی ہے۔ علاوہ بریں خود جناب امیر فرماتے تھے۔ کانت لی منزلۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن لاحد من الخلائق (مردیہ احمد و نسائی و حاکم از حضرت علیؓ و حدیث ام سلمہؓ کان لعلی منزلۃ الخ مرویہ حاکم۔ یہ حیثیت اور منزلت فاروق صاحب سے غالباً پوشیدہ نہ ہوگی۔

حدیث خیبر میں امام بخاری نے کوا دغیر فراد کا ٹکڑا اگر ترک کردیا تو ہوا کیا بخاری کے سارے ہمسروں بلکہ بخاری کے اساتذہ کی روایتوں میں یہ ٹکڑا جیسے کا تیسا موجود ہے۔ چنانچہ ابن اسحاق ابن ہشام اور حلبی نے سیرتوں میں حضرت ام سلمہؓ سے نسائی و احمد نے ابو یعلی سے مناقب میں ابن ابی شیبہ واحمد و ابن جریر طبری نے حضرت علیؓ سے، دارقطنی و خطیب ابن عساکر نے حضرت عمرؓ سے طبرانی و بیہقی نے حضرت جابر سے، بزار نے ابو یعلی سے۔ امام احمد نے بریدہ اسلمی سے۔ طبرانی نے ابن عمر سے اور بزار نے ابن عباس سے اسی حدیث خیبر کو "کرار غیر فرار" کے ٹکڑے کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رہی خلفاء کرام کی توہین وہ بھی دونوں صاحبوں کا حصہ ہے۔

حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا جنگ خیبر سے بے فتح کئے لوٹ آنا ان کی توہین کا باعث نہیں۔ جیت ہار تو خدا کے ہاتھ ہے۔ جنگ احد کی مثال موجود اور جنگ حنین کا دن یاد ہے۔ مگر مولانا نے حالت غضب میں یہ غضب کردیا کہ صفین میں جناب امیرؑ کی شکست بتائی لم یرجع حتی یفتح اللہ علی یدیہ

جس کی شان ہو اُس نے کہیں نہیں کہیں نہیں صرف صفین میں شکست اُٹھائی!

شکست تو امیر معاویہ نے اُٹھائی اور قرآن نیزوں پر اُٹھایا۔ تاکہ جناب امیرؓ کا

فاتح لشکر بددل ہو۔ مگر آپ کی کمال عقیدت نے اس کو بھی جناب امیرؓ کی

طرف پھیر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس پر یہ اور اضافہ: "رہی علیؓ کی کراری غیر فراری" تو اس کا کتنا

نمایاں ثبوت ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو کبھی پوری فوج کا سپہ سالار نہ بنایا۔ بلکہ

ہمیشہ ایک سپاہی یا معمولی حیثیت سے افسر کے طور پر رکھا۔" جلے دل کا پھپھولا ہے

دعوے تو یہ ہے کہ علیؓ کی کراری غیر فراری غلط۔ اور اس کی دلیل یہ کہ کبھی انھیں

فوج کا سپہ سالار نہ بنایا۔ دعویٰ کیا اور دلیل کون سی ہے۔ اگر بتایا تو یہ ہوتا

کہ علیؓ فلاں فلاں لڑائیوں سے بھاگ نکلے تھے۔ لہذا ان کی کراری غیر فراری

غلط ہے۔ بخاری کی نہ سہی کسی ضعیف [illegible] ہی سے۔ یا ضعیف بھی نہ ملتی

ہو تو جھوٹی اور موضوع روایت ہی سے ثابت کیا ہوتا کہ علیؓ فلاں لڑائی سے بھاگے تھے۔

مولانا آپ تو کیا ساری امت بھی اس کو ثابت نہیں کر سکتی کہ علیؓ فراری تھے۔ بات اتنی ہے

کہ علیؓ کی کراری غیر فراری کو جو نقلاً و عقلاً روایتاً درایتاً علماً و عملاً ثابت ہے

اور جو خاری ہی کھٹکتی ہے۔ غلط ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ آخر

علیؓ کرار غیر فرار ہی ثابت رہے۔ صدق اللہ و رسولہ

رہی علیؓ کی سپہ سالاری۔ حضور نے تو اپنے عہد مبارک میں کسی کو بھی پوری

فوج کا سپہ سالار نہ بنایا۔ اس کی نہ کوئی مرفوع شہادت ہے نہ موقوف۔ بڑی جنگوں

میں تو خود بدولت سپہ سالار رہے۔ سرایوں میں البتہ اپنے صحابیوں کے زیر کمان

ن سو چار سو سپاہیوں کو مختلف مقامات پر بھیجا۔ جس میں حضرت علیؑ بھی گئے
و رحضرت عمرؓ بھی اور حضرت ابوبکرؓ بھی۔ اور حضرت ابو عبیدہ بھی۔ (مواہب
زرقانی۔ ابن ہشام۔ تاریخ طبری و ابن اسحاق)

فتح مکہ کی دوش تشیتی کا تذکرہ صحیح بخاری میں نہ ہونا۔ نفی واقعہ کا

انو کھا استدلال ہے۔ جس واقعہ کی روایت امام احمد و ابوبکر ابن ابی شیبہ اور
ابو جعفر طبری و حاکم و نسائی و حاکمی و امام قسطلانی و زرقانی جلد دوم ص ۲۸۷ شرح
مواہب میں کرتے ہیں اس کو نسیاً منسیاً کر دینا آپ ہی کی جرات ہے۔ حضرت
شاہ ولی اللہ نے بھی توازالہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حنین میں بروایات ابن قتیبہ و حارث بن اسامہ و ابو یعلی و ابن عساکر
و خطیب و ابن اسحاق۔ جناب امیر و حضرت عباس و ابو سفیان بن حارث و زبیر
بن اسامہ بن زید و عقیل و عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب کا آنحضرتؐ کے ساتھ
ساتھ رہنا ثابت۔ خصوصاً جناب امیر کی پامردی و جانبازی بروایت ابو یعلی و طبرانی
و ابن ابی شیبہ و زرقانی از انس و جابر مسلم اور جناب امیرؑ کا چالیس پہلوانوں کو
قتل کرنا بروایت ابن ابی شیبہ حضرت انس سے منقول اور علامہ ابن عبدالبر
کی روایت سے صرف علیؓ۔ عباس۔ سفیان اور عمرؓ کا ثبات مروی۔ مگر ابن اسحاق
کی روایت سے علیؓ۔ عباس و فضل بن عباس۔ ابو سفیان و جعفر بن ابی سفیان
و ربیعہ بن حارث اور اسامہ بن زید کا ثابت قدم رہنا مسطور۔ استیعاب جلد ۲
ص ۲۹۸ ابو جعفر طبری نے تاریخ کے ص ۱۶۶۱ پر لکھا ہے کہ آنحضرت کے ہمراہ
حنین میں مہاجرین سے ابوبکرؓ و عمرؓ اور اہل بیت سے علیؓ، عباس فضل بن عباس و

ابوسفیان بن حارث ربیعہ بن حارث وایمن بن عبید و اسامہ بن زید ثابت قدم تھے اور ابن ہشام نے بھی یہی نام بتائے ہیں۔ مگر بخاری نے حضرت عمرؓ کا نام مفرورین میں لکھا ہے۔ نعوذ باللہ۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ علیؓ وعباس وابوسفیان عقیل وعبداللہ بن زبیر وزبیر بن العوام اور اسامہ آنحضرت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ مگر بعد کے محقق علامہ قسطلانی نے اس کا جو ریویو کیا ہے وہ صحیح معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں ولم یثبت مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم یومئذٍ الا العباس وعلی والفضل وابوبکر وعمر واسامۃ بن زید فی اناسٍ من اھل بیتہ و اصحابہ (مواہب) جو مطابقت روایات اولین ابوسفیان و ربیعہ وعقیل وعبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب زبیر بن العوام وعبداللہ بن مسعود پر مشتمل ہے۔

سرگوشی طائف بزعم مولانا سرگوشی پر صرف ریاض نضرہ کی تنہا روایت نہیں بلکہ ترمذی، نسائی وطبرانی کی حدیث جابر اور ابویعلی اور ابن ابی شیبہ وابن حبان والی روایت ابن عباس ہی موجود ہے ما انا انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ۔ میں نے نہیں بلکہ میرے خدا نے علی سے راز میں گفتگو کی تھی۔ دنیا کو دکھا رہی ہے کہ علیؓ مخاطب حق سبحانہ ہیں۔

حدیث منزلت یہی ایک حدیث وہ بھی مرویہ بخاری ہونے کی وجہ سے مولانا کے نزدیک صحیح اتری تھی۔ مگر پھر بھی مولانا سے رہا نہ گیا۔ فرماتے ہیں۔ "لا نبی بعدی کے بعد اس کی خصوصیت ہی کیا؟ صرف اہل وعیال کی نگرانی جو ظاہر ہے کہ کوئی شرف نہیں" ۔اے سبحان اللہ! مولانا! اس حدیث کی خصوصیت لا نبی بعدی کے بعد بھی لو کان نبی بعدی لکان عمرؓ

کے ہم پلہ ہے۔ اگر نبوت باقی رہتی تو یہ دونوں نبی ہوتے۔ کوئی معمولی شرف نہیں ؟ منزلت ہارونی اور اس میں آپ کی یہ آناکانی۔ یہ حدیث کسی کو بھلی لگے یا بری۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ علیؓ کی منزلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بالکل وہی ہے جو ہارون کی موسیٰؑ کے نزدیک تھی۔ کس کی مجال جو جناب امیرؓ کے یا جناب صدیقؓ کے فضائل کا اندازہ کر سکے یا ان میں آناکانی کرے۔ صرف ایک فضیلت جناب امیرؓ سے آسنا سٹ پٹا گئے۔ سنیئے ائمہ حدیث آپ کی نسبت کیا کہہ رہے ہیں۔

ماجاء لاحد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل بالاسانید الحسان ماجاء لعلی بن ابی طالبؓ (صحیح حاکم جلد ۳ ص۱۰۷ واستیعاب جلد دوم ص۴۷۹) یہ قول حدیث کے امیر المومنین احمد بن حنبل کا ہے۔ یہ قول امام نسائی کا ہے۔ یہ قول ابو علی نیشاپوری کا ہے یہ قول قاضی اسماعیل مالکی کا ہے۔ یہ قول علامہ بن عبد البر کا ہے۔ یہ قول امام المحدثین ابو عبد اللہ حاکم کا ہے۔

ابن عبد البر استیعاب جلد دوم ص۴۷۹ میں فرماتے ہیں کہ جتنی حدیثیں باسانید جید جناب امیرؓ کی شان میں وارد ہوئی ہیں اتنی کسی بھی صحابی کی شان میں نہیں آئیں۔ اور حاکم صحیح کی جلد سوم ص۱۰۷ میں لکھتے ہیں کہ احمد ابو یعلیٰ اور نسائی کی یہ تحقیق ہے کہ جتنی حدیثیں باسانید جید جناب امیرؓ کی شان میں آئی ہیں اتنی کسی اور صحابی کی شان میں آئی نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی امام نودی، عراقی، ابن حجر مکی، علی القاری علی متقی،

صاحب روضۃ الاحباب اور حضرت شاہ ولی اللہ بھی یہی فرما رہے ہیں۔
مولانا آپ ہی اس کا تصفیہ فرمائیں کہ ان کی کون سُنے گا؟

راویان حدیث منزلت

صحابہ سے اس کی روایت حضرات عمر بن خطاب، علی بن ابی طالبؓ، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ عباس، جابر بن عبد اللہ، ابوہریرہ، ابو سعید خدری، جابر بن سمرہ، مالک بن حویرث، براء بن عازب، زید بن ارقم، ابو رافع عبد اللہ بن ابی اوفیٰ، حذیفہ، انس مالک، بریدہ، ابو موسیٰ اشعری، ابو ایوب انصاری، عقیل، حبشی بن جنادہ، معاویہ بن ابی سفیان، حضرت ام سلمہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت اسماء بنت عمیس وغیرہمؓ نے کی۔
اور ائمہ محدثین سے امام احمد بن حنبل، بخاری، مسلم، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خزیمہ، ابن ابی خیثمہ، بزار، ابو یعلی طبری، ابن عقدہ، ابو عوانہ، ابو الشیخ، طبرانی، حاکم، بیہقی، ابو نعیم، ابن عبد البر ابن مردویہ، ابن سمان، ابو سعد، بغوی، ابو الحسن ملا۔ دیلمی و خوارزمی نے اس کو روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر، امام جزری، ابن عبد البر، جمال عزمی، ابن حجر، حاکم نسائی، طبرانی، ابن تیمیہ، سیوطی، ذہبی اور شاہ ولی اللہ نے اس کو حدیث صحیح و متواتر مانا ہے۔

امام احمد نے مسند و مناقب میں اس کے ذیل میں اسماء بنت عمیس سے باسناد جید روایت کی کہ حضور نے یہ دعا بھی فرمائی۔ اللھم انی اقول کما قال

اخی موسیٰ اللھم اجعل لی وزیرًا من اھلی اخی علی بن ابی طالبؑ اشدد

بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرًا ونذکرک کثیرًا انک کنت

بنا بصیرا۔ خدایا میرے بھائی موسیٰ کی طرح میں بھی ملتجی ہوں کہ میرے

عزیزوں میں سے میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنا اور اس سے میری کمر کو

مضبوط فرما اور اس کو میرا رفیق کار بنا۔ تاکہ ہم تیری تسبیح اور تیری یاد

بکثرت کریں اور تو ہم کو دیکھ رہا ہے۔ (اس کی روایت طبری نے

تہذیب الآثار میں ثعلبی نے تفسیر میں علامہ زرندی و ابن الصباغ مالکی نے

مناقب میں اور فخر الدین رازی نے تفسیر میں حضرت ابوذر اور ابن عباس سے

خطیب ابن عساکر و ابن مردویہ نے اسماء بنت عمیس سے کی ہے۔)

جامی از قافلہ سالار عشق ترا کہ بپرسند کہ آن کیست علی گوی علی

مولانا اس کی خصوصیت اور اہمیت ہم کیا جانیں۔ امام نووی جیسا

شخص ہی جان سکتا ہے۔ شرح مسلم جلد دوم ص۲۷۸ امام نووی فرماتے ہیں۔

فیہ اثبات فضیلۃ لعلیؑ لا تعرض فیہ لکونہ افضل من غیرہ او مثلہ لیس

فیہ الدلالۃ لاستخلافہ۔ یعنی اس حدیث سے حضرت علیؑ کی اس فضیلت

کا ثبوت ملتا ہے جو آپ کو اپنے ماسوا اور برابر والوں یعنی دیگر صحابہ پہ

بلا تعرض حاصل ہے۔ مگر اس میں آپ کے استخلاف کی کوئی دلیل نہیں (جلد۲ ص۲۷۸)

سورہ برأت مسلم کی تبلیغ

تبلیغ براۃ کے سلسلہ میں مولانا کا یہ ارشاد

کہ حضرت ابوبکرؓ اور علیؓ کی پوزیشن میں

فرق تھا حضرت ابوبکرؓ امیر حج تھے۔ اور اس لئے آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم کے قائم مقام تھے۔ اور منادی کرنے والوں میں علیؓ بھی ایک تھے۔"

اعراض عن الحق اور اعتراض علی الحق ہے۔

امیر حج تو کئی بزرگ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ مگر براۃ کی رسالت ایک ہی کو ملی اور قیامت تک دوسرے کو مل نہیں سکتی۔

امام احمد و ابو یعلیٰ نے حضرت ابو بکرؓ سے نسائی اور عبد اللہ بن احمد نے حضرت علی سے، ابو بکر بن ابی شیبہ۔ احمد۔ ترمذی۔ ابو داؤد و نسائی، طحاوی ابو الشیخ و ابن مردویہ نے حضرت انسؓ سے، نسائی و ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید سے، احمد و ترمذی، نسائی و طبرانی، حاکم اور طحاوی نے حضرت ابن عباس سے اس واقعہ کی یوں صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کے ہمراہ سورہ برائت کو اہل مکہ کی تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا۔ وحی آئی کہ یا تو آپ بہ نفس نفیس اس کی تبلیغ فرمائیں۔ یا کسی اپنے عزیز سے کروائیں۔ آپ نے سیدنا علیؓ کو اس حکم کے ساتھ متعاقب روانہ فرمایا کہ تم ابو بکرؓ سے سورہ برائت لے لو اور خود اہل مکہ کو سناؤ کیونکہ حکم خدا یہی ہے کہ اس کی تبلیغ میں کروں یا تم۔ لا یؤدی الا انا او علیؓ۔

ہماری نگاہوں میں تو دونوں حضرات دو مختلف جہات سے نائبان رسالت مآبؐ تھے۔

امارت یمن | اس سلسلہ میں مولانا سے کچھ اور نہ بن پڑا تو جناب امیرؓ کی انتظامی ناقابلیت کا شکوہ کر دیا۔ طرفہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف جیسا امام فن فقہ اپنی کتاب الخراج میں جناب امیرؓ کی سیاست مدن اور

انتظام کی تعریفیں کرے اور آپ کی تحسین کے پل باندھے۔ اور نقادِ حدیث و تاریخ طبری آپ کی اس خصوصی خداداد قابلیت کی ثناگوئی کرے اور دوسری طرف مولانا فاروق اس کی مذمت کریں۔

سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، شرح زرقانی، فتح الباری عمدۃ القاری و ترمذی و ابن ابی شیبہ میں ہم نے بھی امارت یمن کا قصہ پڑھا ہے۔ کسی جگہ جناب امیرؑ کی انتظامی ناقابلیت کا کوئی ریمارک ہمیں نظر نہ پڑا۔ البتہ نسائی نے اتنا لکھا ہے کہ بنی زبیدہ پر جب مسلمان فتح یاب ہوئے تو سبایا سے جناب امیرؑ نے ایک لونڈی اپنے لئے خاص کر لی جس پر حضرت خالد نے بذریعہ بریدہ اسلمی بارگاہ نبوت میں شکایت پیش کی۔ شاکیوں پر عتاب ہوا اور فرمایا ماتریدون عن علی وھو مولیٰ کل مومن و مومنۃ اور صراحت فرما دی کہ خمس میں اس سے بڑھ کر علی کا حق ہے فان لہ فی الخمس اکثر من ذالک (بخاری) اور جناب امیر کون ہیں دکھا دیا۔ ماتری فی رجل یحبہ اللہ و رسولہ (ترمذی و نسائی عن البراء) مولانا کو نہ معلوم آپ کی ناقابلیت کا سراغ لگا کہاں سے؟

حجۃ الوداع کا واقعہ | اس تذکرہ میں مولانا فرماتے ہیں پہلی حدیث ذرا صل! اور حدیث خدیر خم اس سے زیادہ بے اصل!! ص۹

میں نے کہا کہ دعوئے الفت مگر غلط۔ کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ بخاری بھی ہوتے تو ذرا بھجکتے آپ کی طرح اس قدر بے ساختہ نہ کہتے۔ حدیث کیا ہوئی گھر کی کھیتی ہو گئی۔

مولانا جس پہلی حدیث کو آپ نے بے اصل کہا ہے وہ حدیث

ثقلین ہے جس کو بڑے بڑے آئمہ حدیث اور ثقات فن مثلاً امام زہری، ابن اسحٰق، ابن سعد، احمد، ابن ابی شیبہ، ابو خیثمہ، ابن جریر طبری، عبد بن حمید، دارمی، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابو یعلی، دولابی، ابن خزیمہ، ابن عبدالبر، ابن عقدہ، طبرانی، ابونعیم، حاکم، خطیب، حمیدی، دیلمی، خوارزمی اور شاہ ولی اللہ نے روایت کیا ہے اور جس کی ابن حجر، نودی، عینی، سبکی، مکی، زرقانی، شوکانی، سیوطی، متقی، دہلوی اور شاہ ولی اللہ نے تخریج کی۔ اور معتمد کہا۔ بھلا آپ کے یا اور کسی کے بے اصل کہہ دینے سے بے اصل ہو سکتی ہے؟

رہی دوسری حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ جو صحیح اور مشہور و متواتر ہے یہ اگر آپ کے نزدیک لا اصل لہ متصور ہو تو امام بخاری کی ۴۳۵ روایات منفردہ و ضعیفہ کا کیا حشر ہوگا اور صحیح کی کیا وقعت رہے گی۔ غالباً حدیث من کنت مولاہ آپ کے نزدیک اس لئے بے اصل ٹھہری ہے کہ اس میں علیؑ کا نام ہے کسی اور کا نام ہوتا تو اس کا ارتقاء آپ کے نزدیک آیت قرآنی تک پہونچ جاتا۔

یہ حدیث متواتر ہے	علامہ محمد بن اسمٰعیل صنعانی روضہ ندیہ میں حافظ العصر ابن عقدہ موالات میں، سیوطی جمع الجوامع میں

مناوی تیسیر میں، شیرازی اربعین میں، ذہبی تذکرہ حفاظ میں، جزری اسنی المطالب میں، علی القاری مرقات میں صاحب نزل الابرار اپنی اس تصنیف، شیخ دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس کو حدیث صحیح مشہور و متواتر مانتے ہیں۔

شیخ دہلوی تو لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے اس کی روایت کی اور اس کے ان گنت طرق بتائے ہیں، بقولے سولہ صحابہ نے اور بقول امام احمد تیس صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے۔

کثرت روایات

حافظ ابن عقدہ متوفی ۳۳۲ھ نے کتاب موالاۃ میں یک صد و یک صحابہ سے، امام جزری شافعی نے اسّی صحابیوں سے، امام ابو جعفر طبری نے ۷۵ صحابیوں سے، امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے اور حافظ ابو العلاء العطار کوئی دو سو سے طریقوں سے اس کی روایت کرتے ہیں یہ حدیث نہ صرف صحیح و ثابت بلکہ مشہور و متواتر بھی ہے۔

حدیث انا مدینۃ العلم

ذرا اور آگے چل کر فاروقی صاحب ایک سانس میں حدیث انا مدینۃ العلم غلط۔ حدیث قضا صحیح حدیث علی منی غلط اور حدیث موالاۃ لغو فرماتے ہیں۔ اور دوسری سانس میں سارے فضائل علی موضوع اور ان کے راویوں کو دروغ باف فرماتے ہیں۔

غالباً ہمارے مولانا کو اب چین آیا ہوگا۔ آپ کا غصہ تھما ہوگا چلیو چھٹی ہو گئی نہ علیؓ رہیں اور نہ علیؓ کا نام و نشان رہے۔ مگر افسوس ہے کہ تمنا تو تمنا ہی کی حد تک رہی جب تک ساری حدیث کی سیر کی تاریخ کی کتابیں دریا برد نہ کی جائیں علیؓ کی تعریفیں مناقب اور فضائل کل باقی رہیں گے۔ صرف یہ غلط وہ لغو یہ موضوع اور وہ فضول کہنے سے کام نہ چلے گا۔ ساری کتابیں جلا دینی چاہئیں۔

امام زہری متوفی ۱۲۵ھ سے چودھویں صدی تک نہ کوئی محدث نہ کوئی راوی مناقب جناب امیرؓ چھوڑا اور نہ کوئی حدیث فضیلت باقی رہی جس کو

مولانا نے دروغ گو اور روایت موضوعہ نہ فرمایا ہو۔ ابن جوزی جیسے متشدد بھی آج ہوتے تو مولانا کے آگے کان پکڑ لیتے۔

حدیث انا مدینۃ العلم جس کو ہمارے مولانا غلط فرماتے ہیں بعضوں کے نزدیک درجہ صحیح اور بعضوں کے عندیہ میں حدیث درجہ حسن ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو جناب امیر امام حسنؑ، امام حسینؑ حضرات ابن عباس، جابر، ابن مسعود، ابن عمر، حذیفہ اور انس رضی اللہ عنہم نے سنا اور روایت کیا ہے۔

جناب امیر سے امام احمد، ترمذی، شاذان، حاکم، ابن مردویہ، ابو یعلی، ابو نعیم، ابن مغازلی، ابن اثیر، ابن نجار، ابن حجر، سیوطی وغیرہم نے اور امام حسنؑ سے سلیمان بلخی نے، امام حسینؑ سے ابن مردویہ و ابن نجار نے حضرت ابن عباس سے، امام ابن معین، طبری، ابو الشیخ، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عبد البر ابن اثیر، خطیب، امام سیوطی، ابن حجر، علی متقی، شیخ دہلوی اور شاہ ولی اللہ نے حضرت ابن عمر سے طبرانی و حاکم نے حضرت ابن مسعود سے طبرانی و ابو یعلی نے حضرت حذیفہ سے ابن مغازلی نے اور حضرت انس سے خزری و سلیمان بلخی نے اپنی مسندوں میں معجموں مناقبوں میں باسانید معتمدہ اس کی روایتیں کی ہیں۔

صحت حدیث قائلین صحت حدیث یحییٰ بن معین ابو جعفر طبری حاکم، محمد بن طلحہ قرشی، صلاح علائی، امام خزری اور سیوطی وغیرہم ہیں اور اس کے درجہ حسن ہونے کے معترف، ترمذی، عسقلانی، بنجاوی، زرقانی، شوکانی، مناوی، ابن حجر، علی القاری اور متقی ہیں۔

رہا یہ امر کہ بخاری نے اس کو ترک کر دیا۔ جہاں ۹۶ ہزار صحیح حدیثیں غائب وہاں یہ بھی ایک سہی۔ مگر آپ کے اساتذہ اور شیوخ میں عبد الرزاق نے دو طریقوں سے (مستدرک ۳ جلد ص۱۲۶) یحیٰی بن معین نے دو طریقوں سے (کنز جلد ۶ ص۴۰۱ اور تاریخ خطیب جلد ۱۱ ص۴۹) اور امام احمد نے ۸ طریقوں سے اس کی روایت کی ہے اور امام ابو عبد اللہ حاکم نے اس کو کئی طریقوں سے جو بشرط شیخین ہیں ثابت کیا ہے اور امام ذہبی نے میزان جلد اول ص۳۱۲ میں بہ ترجمہ سوید بن سعید اس کی روایت بہ سند متصل مسلم کے شیخ سوید بن سعید سے کی ہے اور اس سند کو عوالی الاسناد لکھا ہے۔ اس کو غلط کہہ دینا غلطی ہے۔

حدیث علی منی ہم اہل سنت کے اجل ائمہ اور اکابر علماء مثل ترمذی، نسائی، حاکم، ابن ماجہ، امام احمد، طیالسی، حضرت عمران بن حصین سے اور امام احمد و ابن ابی شیبہ و ابن ماجہ حبشی بن جنادہ سے اس کی مرفوع روایت کرتے ہیں اور اس کو حدیث ثابت بدرجہ حسن تسلیم کرتے ہیں۔ اس کو غلط کہہ دینا غلط تحقیق پر مبنی ہو گا۔

حدیث قرطاس مرویہ بخاری ہے بھی بڑی مضطرب اور مضطر اس کے راوی تقریباً معلول و منکر اسی کے برتتے توہین علیؓ اور ذم عمرؓ۔ اس کے سات طریقہ ہیں۔ ہر طریقہ ضعیف اور منکر، ہر متن مضطرب و مضطر کہیں غلب علیہ الوجع کہیں ھجر کہیں یھجر کہیں یہ ھجر کہیں اھجر اور کہیں اھجرا ھجر۔ پانچ

روایتوں میں ان بے ہودہ الفاظ کی نسبت نامعلوم صحابہ پر اور دو میں یہ نزلہ حضرت عمر کے سر۔ خلفاء کی توہین ہو بلا سے۔ مگر ثابت رہے بخاری کا اثر۔ ان ساتوں کے راوی حضرت ابن عباس چودہ سالہ عمر، جمعرات کا دن، زانوئے جناب امیر رض پر سر پیغمبر ؐ۔ سرہانے حضرت عباس، مواجہ میں حضرت ابوبکر۔ اور چوکھٹ پر حضرت عمر۔ باقی تین چار سو صحابہ محاذی حجرۂ پیغمبر ؐ۔ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی کاغذ لادو تاکہ تمہارے لئے وہ بات لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ اس پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں فرمایا اُٹھو۔ اب رخصت اسی طرف داران علی رض و عمر ہیں چودہ صدی سے جنگ متواتر کبھی ادھر سے کافر کبھی اُدھر سے کافر۔

مناقب جیسے جس کے مروی ہیں وہ بے کم و کاست سب قابل قبول اور ان پر جرح و اعتراض طرفدارانہ فضول اور ان میں ہماری کمی بیشی نہایت نامعقول اور ہماری ردّ و قدح بالکل لغو و فضول۔ ہاں اگر خلفائے پیغمبر کی توہین کہیں مروی ہو تو وہ بلا استثنا ناقابل قبول اور قطعاً مہمل و فضول ہے۔ اس پر رد و قدح ہر ممکن طور سے مقبول۔ یہی ہے مذہب ہم حنفیہ کا اور عموماً اہل سنت کا۔ یہی وجہ بھی کہ ہمارے علماء نے باوجود کٹر سنی ہونے کے دوسری صدی سے لے کر صدہا مستقل کتابیں مناقب علی رض میں لکھیں اور آج بھی لکھتے جا رہے ہیں۔

حدیث قرطاس کا نہ تو حضرت علی رض نے نہ حضرت عباس نے نہ حضرت ابوبکر نے نہ حضرت عمر نے اور نہ کسی ام المومنین نے کبھی تذکرہ کیا اور نہ ہی اُن بیش و الانی میں چار و صحابیوں نے اس کا کوئی اشارہ کیا۔ لے ڈنے بیگا تین

ایک ابن عباس ہیں جن کو ہمارے محدثین اس اہم واقعہ کا مفرد راوی قرار دیتے ہیں۔ جو اس وقت بہ شہادت معتبرہ نہ تو حجرۂ مبارکہ کے اندر تھے اور نہ باہر دالان مسجد میں تھے۔ حافظ ابن حجر شارح بخاری نے فتح الباری باب کتاب العلم میں ابن عباس کی عدم موجودگی کا اثبات شواہد اور قرائن سے درایت اور روایت سے کر دیا ہے اب اس روایت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے ظاہر ہے۔

علاوہ بریں اس فرضی حکایت کے راویوں میں یحییٰ ابن سلیمان ہیں جن کو ابن معین ونسائی و ابو حاتم غیر ثقہ اور راوی منکرات کہتے ہیں دوسرے راوی قبصیہ ہیں جو امام احمد کے نزدیک کثیر الاغلاط ہیں یحییٰ کے نزدیک ضعیف اور ابن قطان کے عندیہ میں وہمی اور کثیر الاغلاط ہیں۔ تیسرے راوی یونس بن یزید ہیں جو وکیع کے نزدیک سیٔ الحفظ اور کثیر الاغلاط، ابن سعد کے نزدیک ناقابل روایت اور امام احمد کے نزدیک مردود ہیں۔ چوتھے علی بن عبداللہ ہیں جو عقیلی کے نزدیک ضعفاء میں اخل اور عقیدتاً بدعقیدہ، مسلم کے نزدیک ناقابل احتجاج اور ابو ذرعہ کے نزدیک ناقابل روایت اور ابو حاتم کے نزدیک راوی منکرات ہیں دو چار کا یہ حال۔ باقیوں کا کتب رجال میں نہ معلوم کیا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس پر صدیوں سے ہم مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں جنگ و جدل ہے۔

مولانا فاروق فرماتے ہیں انتقال کے وقت حضرت علیؓ کی موجودگی اور دست مبارک کا ان کے اوپر ہونا۔ ریاض النضرہ کی جھوٹی روایت ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کے پر فخر صحیح واقعہ کے جوڑ پر تراشی گئی ہے

صحیح روایات سے حضرت علیؓ کا کاشانۂ نبوی میں جو ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا

جناب من حضرت علیؓ کا کاشانۂ نبوی میں رہنا بھی اس لئے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ کا حجرہ متصل حجرۂ حضرت عائشہ تھا دبخاری ریاض نضرہ، طبری ناقل روایت ہے۔ اس کے اصل راوی جنھیں آپ جھوٹا کہہ رہے ہیں وہ امام احمد بن حنبل، امام نسائیؒ، دارقطنی وحاکم ہیں۔ آپ ان بزرگوں کو جو چاہیں کہیں۔ بخاری جو آپ کے عندیہ میں مضبوط ماخذ ہے اس سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ ایک دیوار کی آڑ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حجرہ کے متصل رہتے تھے۔ اور آپ کا حجرہ وسط بیوت ازواج مطہرات تھا۔ بیٹی، تو باپ کے سرہانے رات دن رہے اور داماد بلکہ بھائی اپنے بھائی کے آخری وقت قرب جوار میں بھی نہ رہے۔ یہ آپ کے جذبات ہیں۔ کوئی وحی یا واقعہ نہیں۔ یہ تو تجاہل عارفانہ ہے۔ کیوں مولانا سچ سچ کہنا۔ آخر وہی علی تھے نا! جنھوں نے پیغمبرؐ کو نہلایا۔ دھلایا۔ کفنایا اور دفنایا تھا۔ کیا یہاں پر بھی علی کا وجود آپ کے نزدیک موجود نہ تھا؟

آپ مانیں نہ مانیں۔ حضور کے آخر وقت علیؓ ہی پاس تھے۔ حضور کی چادر میں علی ہی تھے۔ دست مبارک علیؓ ہی کی گردن میں حمائل تھا۔ اور علیؓ کے سینہ پر ہی پیغمبرؐ کا سر وقت آخر تھا۔ حضرت ام سلمہؓ یہی کہتی ہیں اور حضرت عائشہؓ یہی فرماتی ہیں۔ امام احمد نے اس کو حضرت ام سلمہؓ سے بطرق متعددہ روایت کیا ہے۔ اور نسائی وحاکم حضرت ام سلمہؓ سے یہی روایات ہیں،

دارقطنی حضرت عائشہ رضؓ سے یہی نقل کرتے ہیں۔ اور ابن عامری ابن عمر سے یہی روایت کرتے ہیں۔ ابن سعد کئی طریقوں سے طبقات میں اور فخر رازی اربعین میں اس کا اثبات کرتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں آپ کی ہائے وائے فضول ہے اگر یہ ترشی ہوئی بات ہوتی تو امام زرقانی اور شیخ دہلوی میں جمع بین الروایتین کی زحمت اور تکلیف نہ ہوتی (زرقانی وفات النبی اور مدارج جلد دوم ص۴۸۲) ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سعادت بی بی کو بھی نصیب ہوئی اور بھائی کو بھی۔ رہی آپ کی اور پنڈت جی کی منقصت خلفاء راشدین سو نہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہ کوئی مطلب۔ کسی کے بھی قلم سے نکلے بری بات بری ہی ہے۔ وفقنا اللہ وایاکم۔ فقیر عینی نظامی

خلافت

اور

جانشین رسولؐ

(نوشتہ جناب سید جلیل الرحمن صاحب اعظمی)

کچھ روز سے رسالہ نگار میں مسئلہ خلافت پر بہت ہی دلچسپ بحث چھڑی ہوئی ہے، اس سلسلہ میں ہر نام صاحب اور خود جناب نیاز صاحب کے نہایت بلند پایہ مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

مجھے نیاز صاحب کی رائے سے تقریباً اتفاق ہے مگر میرے خیال میں اب تک تاریخ و سیر، حدیث و تفسیر عقائد و کلام کی اوراق گردانی میں تصویر کے ایک ہی رخ پر سارا زور قلم صرف ہوا ہے، دوسرا رخ سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کے متعلق ہم سمجھنے کی کوشش کریں کہ ان کے بارے میں منشاء نبوت کیا تھا؟

درحقیقت صحابۂ کرام میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی دو ایسی با اقتدار ہستیاں گزری ہیں جن کی دینی اور مذہبی جاں نثاریاں دیکھ کر نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ بسا اوقات خود آنحضرت صلعم کو بھی تردد ہوتا تھا کہ وہ اپنا جانشین کس کو بنائیں بلکہ اس ابتدائے اسلام سے لے کر وفات رسولؐ تک واقعات پر تفصیلی نظر ڈال جائے اور غور کیجیے کہ یہ مسئلہ خود آنحضرت صلعم کے لئے بھی کس قدر دشوار تھا۔

جہاں تک روایات کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ اخلاق و اعمال فضائل و مراتب کے اعتبار سے ان دونوں بزرگوں کا مرتبہ تمام صحابہ سے بہت بلند ہے مگر خود ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ایک گونہ اشکال سے خالی نہیں۔

بہتر ہوگا کہ خلافت کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے ہم ان دونوں بزرگوں کا صحیح پوزیشن سمجھ لیں اور دیکھیں کہ اسلام کے آڑے وقتوں میں انھوں نے کیا کیا خدمات انجام دی ہیں۔ یہ طویل بحث مندرجۂ ذیل عنوانات کے ماتحت آسکتی ہے:۔ قبول اسلام، اعانت اسلام، مسئلہ امارت و خلافت میں انھیں عنوانات کے ماتحت اس وقت بحث کروں گا۔

قبول اسلام یہ مسئلہ کہ سب سے پہلے مشرف بہ اسلام کون ہوا؟ نہ کوئی اہمیت رکھتا ہے نہ مسئلہ خلافت پر اس کا کوئی خاص اثر پڑتا ہے، حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے ہوں خواہ حضرت ابوبکر، اس حقیقت سے تو شاید کسی کو انکار نہیں کہ صحابہ میں سے کوئی اور شخص ان سے پہلے ایمان نہیں لایا، امام ابو حنیفہ نے اس اولیت کے جھگڑے کو نہایت عاقلانہ طریقہ پر ختم کیا ہے اور وہی جمہور علماء کا مسلک ہے یعنی یہ کہ:-

"ابوبکر مردوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور علیؑ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اور خدیجہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں۔ (تاریخ الخلفاء فصل فی اسلام ابی بکر)

اعانت اسلام اس عنوان کے ماتحت مجھ سے پہلے حضرت علیؑ کے مناقب پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اس لئے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں تاہم میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؑ نے ابتدائے اسلام سے آخر وقت تک جو اسلام کی اعانت فرمائی ہے اس کی نظیر صحابہ کی تاریخ میں ملنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، غزوۂ بدر، غزوۂ احد غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، اور غزوۂ حنین کوئی ایسا معرکہ نہ تھا جس میں حضرت علیؑ کو نمایاں اور امتیازی خصوصیت حاصل نہ ہوئی ہو، ہجرت کے موقع پر بھی جو جاں نثاری حضرت علیؑ نے دکھائی کسی دوسرے شخص سے مشکل تھی، ایسے خطرہ کی حالت میں بستر رسول پر لیٹ رہنا معمولی جانبازی کا کام نہ تھا لیکن اس سلسلہ میں بڑی ناانصافی ہو گی اگر حضرت ابوبکر کے

خدمات کو نظر انداز کر دیا جائے حضرت علیؓ نوجوان تھے بہادر اور شیر دل تھے اس لئے میدان کارزار ہمیشہ ان کے ہاتھ رہا، حضرت ابوبکر بوڑھے اور کمزور تھے اس لئے گو انھیں معرکہ ہائے جنگ میں کوئی طرہ امتیاز حاصل نہ تھا تاہم جو دینی اعانت اُن کی طرف سے کی گئی اُس کی تین بڑی یادگاریں اسلامی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ عمائد قریش کو مسلمان بنانے کی کوشش کرنا، اسلام کی ترقی میں روپیہ صرف کرنا، نومسلم غلاموں کو آزاد کرنا۔

حضرت ابوبکر نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد دوسرے شرفاء قریش کو بھی مسلمان بنانے کی کوشش کی اور ترقی اسلام کو اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد بنالیا چنانچہ عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبداللہ وغیرہ حضرت ابوبکر کے ذریعہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے (سیرۃ ابن ہشام باب ابتداء افتراض اللہ علے النبی من الصلوٰۃ)

اسی طرح ترقی اسلام پر حضرت ابوبکر نے روپیہ بھی سب سے زیادہ صرف کیا جس کی تصدیق رسول خدا صلعم کے اُس قول سے ہوتی ہے جو آپ نے اپنے آخر دور حیات میں حضرت ابوبکر کے متعلق فرمایا تھا یعنی:۔

"ما نفعنی مال احد ما نفعنی مال ابی بکر" ابوبکر کے مال سے جتنا فائدہ مجھے ہوا کسی دوسرے کے مال سے نہیں ہوا (ترمذی باب مناقب ابی بکر)

اسلام کے ابتدائی دور میں چونکہ مسلمانوں کا کوئی اقتدار نہ تھا اس لئے کفار قریش انھیں طرح طرح سے ستایا کرتے تھے، خاص کر اُن غریب غلاموں کو جو ایمان لا چکے تھے، مکہ کی سنگلاخ زمین پر لٹا کر ان کے سینوں پر پتھر کی جلتی

ہوئی چٹان رکھ دیتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھ کر ان کے برہنہ جسم پر کوڑے لگاتے تھے۔ آہنی سلاخیں گرم کر کے انھیں داغتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ یا تو محمدؐ کے دین سے پھر جاؤ یا پھر اسی حالت میں مرجاؤ۔

اسلام کی اس غربت اور کفار کے اس تشدد کے زمانہ میں حضرت ابوبکر نے سات غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن کی تفصیل صحابہ میں درج ہے ظاہر ہے کہ اس سے انسان ترسی اور رضاجوئی الٰہی کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا تھا کفار قریش کے ہاتھوں بارہا حضرت ابوبکر بھی بہت بری طرح زدوکوب کئے گئے مگر آپ اسلام اور بانی اسلام کی حمایت میں ہمیشہ سینہ سپر رہے۔

حضرت اسماء کا بیان کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ مسجد میں بیٹھے ہوئے رسول خدا صلعم کا تذکرہ کر رہے تھے اسی اثناء میں آنحضرت صلعم مسجد میں تشریف لے آئے آپ کا دستور تھا کہ لوگ جو کچھ آپ سے دریافت کرتے تھے آپ ان سے صحیح صحیح بتادیا کرتے تھے، کفار قریش نے آپ سے پوچھنا شروع کیا، کیا تم ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں میں ضرور کہتا ہوں یہ سنتے ہی سب کے سب آپ کے لپٹ گئے، ایک شخص نے آکر حضرت ابوبکر کو اس واقعہ کی اطلاع دی آپ فوراً ہی موقع پر پہنچ گئے اور کفار کو ڈانٹ کر فرمایا:۔ "افسوس ہے تم پر کیا تم ایک شخص کو محض اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار "خدا" ہے، حالانکہ وہ تمہارے پاس معجزات بھی لایا ہے۔" یہ سنتے ہی کفار نے رسول خدا صلعم کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر پر پل پڑے اور ان کو اس قدر مارا کہ جب وہ گھر واپس تشریف

لائے تو سر پر جہاں بھی وہ ہاتھ رکھتے تھے بال ہاتھ کے ساتھ ہی ساتھ چلے آتے تھے، مگر وہ فرماتے جاتے تھے کہ خداوندا تو بزرگ اور برتر ہے۔

(دیکھو استیعاب ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ)

ہجرت کے موقع پر جب تمام صحابہ مدینہ چلے گئے تو آنحضرت صلعم نے اپنے خاص جاں نثار اور معتمد حضرت علی اور حضرت ابوبکر کو روک لیا، ان دونوں بزرگوں کے علاوہ آپ کی نقل و حرکت کی کسی کو خبر نہ تھی، ان دونوں بزرگوں سے خدا اور اس کے رسول کو اہم ترین خدمات لینا تھیں اس لئے یہ مکہ میں اس وقت تک رکے رہے جب تک کہ آنحضرت کو خدا کی طرف سے ہجرت کی اجازت نہ ملی۔ ابن اسحاق کی روایت ہے:۔

"جہاں تک مجھے علم ہے رسول خدا صلعم کی روانگی کا کسی کو علم نہیں تھا کہ آپ کب روانہ ہوئے سوائے حضرت علی اور حضرت ابوبکر اور ان کی اولاد کے"۔ (سیرۃ ابن ہشام باب ہجرۃ النبی صلعم)

ہجرت کی اجازت ملنے پر آنحضرت نے حضرت علی کو مکہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور ان کے سپرد وہ امانتیں کیں جو لوگوں کی آپ کے پاس رکھی تھیں اور حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے، راستہ میں تین دن تک غار ثور میں چھپے رہے۔ جہاں کھانے پینے اور خبر رسانی کا انتظام پہلے سے حضرت ابوبکر نے کر رکھا تھا تین دن کے بعد جب خطرہ کچھ کم ہوا تو حضرت ابوبکر اور آنحضرت دونوں ایک ہی اونٹنی پر آگے پیچھے بیٹھ کر روانہ ہوئے، امام بخاری نے اس مبارک سفر کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔ ابوبکر شیخ یعرف نبی اللہ شاب لا یعرف

فیلقی الرجل ابابکر فیقول یا ابابکر من ھذا الرجل بین یدیک فیقول ھذا الرجل یھدینی الطریق فیحسب الحاسب انہ انما یعنی بالطریق وانما یعنی سبیل الخیر۔" (حضرت ابوبکر بوڑھے تھے جنھیں لوگ عموماً جانتے تھے، آنحضرت جوان تھے جنھیں لوگ عام طور سے نہیں پہچانتے تھے جو راستہ میں ملتا تھا وہ پوچھتا تھا کہ ابوبکر یہ تمہارے آگے کون ہے؟ حضرت ابوبکر اس سے کہہ دیتے تھے یہ شخص مجھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ سننے والا یہ خیال کرتا تھا کہ وہ اس سے "رہبر" مراد لیتے ہیں لیکن وہ دراصل اس سے ہادی اور مرشد مراد لیتے تھے۔ (بخاری باب الہجرۃ)

امارت و خلافت

اس سے پہلے کہ خلیفۂ رسول سب سے پہلے کس کو ہونا چاہیے تھا اور کیوں؟ میں چاہتا ہوں کہ خلافت اور خلیفہ کے معنی کی تشریح کر دی جائے تاکہ آئندہ اصل مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

خلافت کے معنی جانشینی کے ہیں، خلیفہ ایک مذہبی عہدہ ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ دینی احکام کی تعلیم و تعمیل کی کوشش کرے اور مسلمانوں کی مذہبی اور اقتصادی حالات کی اصلاح کرے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ سب سے پہلے خلیفہ کس کو ہونا چاہیے تھا اور کیوں؟ اس پر غور کرنے سے پہلے یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ دراصل اس مسئلہ کا تعلق خدا سے ہے یا بندوں سے؟ عقل سے ہے یا نقل سے؟ اس کا فیصلہ ہونے کے بعد مسئلہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے، علامہ قوشجی نے شرح تجرید میں اس مسئلہ پر کافی تفصیل سے بحث کی ہے جو درج ذیل ہے:۔

"لوگوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ زمانہ نبوت ختم ہونے کے بعد کسی

خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو خدا پر ہے یا ہم پر؟ پھر یہ وجوب عقلاً ہے یا نقلاً۔ اہل سنت کا خیال ہے کہ خلیفہ کا تقرر ہم پر نقلاً واجب ہے، معتزلہ اور زیدیہ کی رائے ہے کہ یہ ہم پر عقلاً فرض ہے، فرقہ امامیہ کا خیال ہے کہ یہ خدا پر عقلاً فرض ہے اور خوارج کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کسی پر بھی فرض نہیں۔

مذہب اہل سنت کا یہ عقیدہ چند دلائل پر مبنی ہے جن میں سے پہلی اور سب سے بہتر دلیل اجماع صحابہ ہے، صحابۂ کرام نے اس مسئلہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے حتیٰ کہ رسول خدا کی تجہیز و تکفین کو بھی اس مسئلہ میں مشغولیت کی وجہ سے انھوں نے پس پشت ڈال دیا، اور اسی طرح ہر خلیفہ کے انتقال کے بعد ہوتا رہا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت نے حدود، سرحدوں کی ناکہ بندی اور جہاد کے لئے لشکر کی تیاری اور بہت سی ایسی چیزوں کا حکم دیا ہے جس کا تعلق نظام دین کی حفاظت اور مذہب اسلام کی حفاظت ہی سے ہے جو بغیر کسی خلیفہ کے عمل میں نہیں آسکتیں اور جس چیز کے بغیر واجبات ادا نہ ہوں وہ جیسا گزر چکا واجب ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ خلیفہ کے تقرر میں اس قدر فوائد ہیں جو شمار نہیں کئے جاسکتے اور اتنے نقصانات سے حفاظت ہو جاتی ہے جو پوشیدہ نہیں اور جس چیز کی یہ حالت ہو وہ یقینی واجب ہے۔ (شرح التجرید المقصد الخامس فی الامامہ)

مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ مسئلہ محض تاریخی اور سیاسی نہیں ہے بلکہ خالص مذہبی ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خلیفہ کا تقرر مذہب کے اہم ترین واجبات میں سے ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ رسول خدا کے انتقال کے بعد کیا حالات پیش آئے اور حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا اور یہ صحیح بھی تھا یا نہیں؟

رسول خدا صلعم کے انتقال کے وقت اسلامی سوسائٹی تین گروہوں پر منقسم تھی جن میں سب سے زیادہ زبردست گروہ انصار کا تھا، مدینہ خاص انھیں کا گھر تھا، وہی وہاں کے رہنے والے تھے اور انھیں کی وہاں کثرت تھی انھیں کی قوت وجاں بازی سے معرکہ ہائے جنگ میں اسلام کو شاندار کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں، دوسرا گروہ ان مہاجرین کا تھا جن میں آنحضرت صلعم کے داماد حضرت علی اور چچا حضرت عباس اور پھوپھی زاد بھائی حضرت طلحہ بن عبداللہ اور بنی امیہ کے سرگروہ ابوسفیان شامل تھے، یہ سب لوگ حضرت علی کے مکان میں موجود تھے اور اس بات پر متفق تھے کہ حضرت علی کو جانشین رسول ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ ہم میں سب سے افضل اور رسول خدا کے ابن عم اور داماد بھی ہیں۔ دوسرے مہاجرین اس فکر میں تھے کہ خلافت کوئی موروثی چیز نہیں جس کو مسلمان بالاتفاق اپنا خلیفہ تسلیم کرلیں بس وہی جانشین رسول سمجھا جانا چاہیئے اس گروہ کی روح رواں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جیسی بااقتدار ہستیاں تھیں۔

سب سے پہلے خلافت کا خیال انصار کو آیا اور یہ حضرات کسی ایک انصار ہی کو خلیفہ بنانے کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو اُن کا مشہور کونسل چیمبر تھا جمع ہوئے مسئلہ انتخاب پیش ہوا۔ اس کی خبر رفتہ رفتہ مہاجرین کو بھی ہوگئی، موقع کی نزاکت کا خیال کرکے وہ بھی فوراً پہنچ گئے، انصار کا خیال تھا کہ مدینہ منورہ میں سوائے انصار کے کوئی دوسرا فرماں روا نہیں ہوسکتا، مہاجرین کی رائے تھی کہ اس وقت کسی خاص شہر یا قبیلہ کی حکمرانی کا نہیں بلکہ سارے ملک عرب کی فرماں روائی کا مسئلہ درپیش ہے اور یہ بوجھ انصار کے بس کا نہیں اس لئے

کہ مدینہ کے باہر ان کا کوئی اثر و اقتدار نہیں، انصار نے کہا اچھا منا امیر و منکم امیر" لیکن مہاجرین اسلامی شیرازہ کو منتشر نہیں کرنا چاہتے تھے، انھوں نے انصار کو سمجھایا کہ تم کو اس مسئلہ میں ہم سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہماری مدد کرنا چاہیئے گو اس وقت فریقین میں کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی تھی مگر انصار کی صلح پسندی کی یہ شان اس وقت بھی نمایاں تھی کہ حضرت زید بن ثابت نے جو انصار ہی میں سے تھے نہایت ایثار کے ساتھ فرمایا کہ رسول خدا صلعم مہاجر تھے لہذا خلیفہ بھی مہاجر ہی ہونا چاہیئے، ہم جس طرح آنحضرت صلعم کے جاں نثار تھے ان کے خلیفہ کے بھی جاں نثار رہیں گے، آخر انصار کو تسلیم کرنا پڑا اور مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق خلافت کے لئے منتخب ہوئے۔

اس مجلس انتخاب میں گو انصار کی نمائندگی پورے طور پر ہوئی تھی لیکن بعض سربرآوردہ مہاجرین جن پر نظر انتخاب بالکل بجا طور پر پڑ سکتی تھی موجود نہ تھے اس لئے حضرت ابوبکر کا یہ انتخاب گویا ایک فوری انتظام تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر نے اس انتخاب کے کچھ روز بعد فرمایا بھی تھا کہ میں وقتی انتظام کے طور پر خلافت کے لئے منتخب کیا گیا تھا، اب اطمینان کی حالت ہے مسلمان جسے پسند کریں اپنا خلیفہ بنالیں، مگر عام طور سے مسلمانوں کی نظروں میں سیاست و تدبر کے علاوہ بعض مصالح کی بنا پر حضرت ابوبکر سے زیادہ خلافت کے لئے کوئی دوسرا موزوں نہیں تھا، اس لئے انھوں نے کسی جدید انتخاب کی ضرورت نہیں سمجھی حقیقت یہ ہے کہ قبائل عرب سے حضرت علی کے تعلقات بہت زیادہ پیچیدہ ہو گئے تھے کچھ تو اس وجہ سے کہ بہت سے سرداران قبائل جنگوں میں حضرت علی

ہی کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوئے تھے اور کچھ اس وجہ سے کہ عام طور پر مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر حضرت علیؑ خلیفہ ہو گئے تو پھر خلافت ایک موروثی چیز ہو کر رہ جائے گی اور یہ اسلام جیسے آزاد خیال اور مساوات پسند مذہب کی پیشانی پر ایسا کلنگ کا ٹیکہ ہوگا جو کبھی مٹائے نہ مٹے گا، یہ وہ بات ہے جو حضرت عمر نے بھی ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ظاہر کی تھی اور کہا تھا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ خلافت اور نبوت دونوں تمہارے ہی خاندان میں رہیں۔ (طبری)

آنحضرت صلعم بڑے زمانہ شناس تھے، موقعہ کی نزاکت کو خوب سمجھتے تھے اس لئے آپ نے آخر وقت تک اس بارے میں کوئی حکم نہیں دیا آپ نتیجہ سے واقف تھے، چنانچہ علامہ سیوطی نے اس بیان میں کہ آنحضرت نے کسی کو اپنا جانشین کیوں نہیں بنایا حضرت حذیفہ کی وہ حدیث نقل کی ہے جو مسند بزاز میں پائی جاتی ہے وہو ہذا "قالوا یارسول اللہ لم لا تستخلف علینا قال انی ان استخلف علیکم فتعصون خلیفتی ینزل علیکم العذاب" "لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہم پر کسی شخص کو خلیفہ کیوں نہیں بنا لیتے آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ بنا لوں اور پھر تم اس کو نہ مانو تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہوگا۔" (تاریخ الخلفاء بیان کونہ صلعم لم یستخلف)

آنحضرت صلعم نے گو اپنا منشاء حدیث منزلہ[۵۱]، واقعہ خم غدیر[۵۲] اور

---

[۵۱] انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی من بعدی (بخاری، طبری ابن ہشام وغیرہ)، [۵۲] "من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" (استیعاب، ابن ہشام) صواعق محرقہ وغیرہ)۔

مسئلہ تبلیغ آیات[1] کے سلسلہ میں پوری طرح ظاہر کر دیا تھا جسے ہر سنجیدہ شخص جو تعصب کی عینک نہ لگائے ہو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے تاہم آپ اُن پیچیدگیوں کو بھی اچھی طرح محسوس کر رہے تھے جو حضرت علی کے خلاف پائی جاتی تھیں، واقعہ قرطاس اور جیش اُسامہ کا باوجود آنحضرت کے اصرار کے روانہ نہ ہونا اسی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں بلکہ مجھے کہنے دیجئے کہ نماز کی امامت پر حضرت ابوبکر کا مامور فرمانا اسی یاس کی ایک خفیف لہر کا نتیجہ تھا جو آپ کو حضرت علی کے متعلق پیدا ہو چکی تھی۔

میں اس خیال سے بالکل متفق ہوں کہ آنحضرتؐ کا دلی منشا یہ تھا کہ ان کے بعد حضرت علی ہی ان کے خلیفہ ہوں مگر ساتھ ہی میرا یہ بھی خیال ہے کہ رسول خدا صلعم حضرت ابوبکر کو بھی اس منصب کا اہل سمجھتے تھے چنانچہ حالات کو دیکھ کر جب آپ کو حضرت علی کی طرف سے مایوسی ہوئی تو آپ نے حضرت ابوبکر ہی کو امامت کے لئے منتخب کیا، نماز پڑھانے والی حدیث متواتر ہے حضرت عائشہ، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن زمعہ، ابن سعید، علی ابن ابی طالب وغیرہ سے الگ الگ روایت ہے، ابن زمعہ کا بیان ہے جس وقت آنحضرت نے یہ حکم دیا کہ "ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں" حضرت ابوبکر وہاں موجود نہ تھے، حضرت عمر نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے مگر

---

[1] "انی امرت ان ابلغہا انا او رجل من اہلبیتی۔"

(خصائص نسائی، طبری وغیرہ)

مگر آنحضرتؐ نے تین مرتبہ فرمایا "نہیں نہیں خدا کو منظور نہیں ہے کہ ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھائے"[1]۔

ہاں! میں اس کا بالکل قائل نہیں کہ آنحضرت سے اس دلی منشاء کے اظہار میں کہ ان کے بعد حضرت علیؑ ہی اُن کے خلیفہ ہوں خطاء اجتہادی کا بھی امکان ہے اس لیے کہ منشاءِ نبوت کا تعلق محض حضرت علیؑ کی ذاتی قرابت سے نہیں تھا بلکہ حضرت علیؑ کی خداداد قابلیت اور اُن کارناموں سے تھا جن کی نظیر صحابہ کی تاریخ میں ملنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے، آنحضرتؐ کو حضرت علیؑ سے بالکل ویسی ہی محبت تھی جیسی ایک شفیق باپ کو اپنے ہونہار بیٹے سے یا ایک نیک دل استاد کو اپنے لائق شاگرد سے یا ایک فاتح بادشاہ کو اپنے شیر دل سپہ سالار سے ہوتی ہے، اس لیے آنحضرتؐ اگر اپنے بعد حضرت علیؑ ہی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے تو اس میں کیا گناہ تھا؟ اس مسئلہ میں خطائے اجتہادی اگر تھی تو صرف ان لوگوں کی تھی جنہوں نے خواہ مخواہ "موروثی خلافت" کے فرضی خیال کو ایک ہوا بنا لیا تھا اور اس کی پیچ میں کسی جائز اور ناجائز بات کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت علیؑ بھی ان تمام پیچیدگیوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اسی وجہ سے حضرت عباس نے جب انہیں مشورہ دیا کہ چلو رسول خدا صلعم سے مسئلہ خلافت کے متعلق طے کرلیں تو حضرت علیؑ بذاتِ خود اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور فرمایا کہ اگر کسی وجہ سے اس وقت آنحضرتؐ نے انکار کردیا تو آئندہ پھر کوئی امید نہیں رہے گی۔

---

[1] دیکھو استیعاب ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی اس وقت کی پیچیدگیوں سے خود مایوس تھے اور اپنے متعلق خلیفہ بنائے جانے کا یقین نہیں رکھتے تھے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت علیؑ کی ولی عہدی یا خلافت کا اعلان بالکل نہیں ہوا تھا، ورنہ حضرت علیؑ اور حضرت عباس وغیرہ کو اس کا علم ضرور ہوتا اس قسم کی جتنی روایتیں ملتی ہیں جن سے حضرت علیؑ کی ولی عہدی یا خلافت کا اعلان ظاہر ہوتا ہے غلط ہیں۔ علامہ قوشجی نے اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، چنانچہ وہ اس قسم کی لغو روایات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ اگر ایسے عظیم الشان مسئلہ میں جس کا تعلق تمام لوگوں کی دینی اور دنیوی مصالح سے وابستہ ہے اس قسم کے نصوص قطعیہ پائے جاتے تو یہ خبر ضرور متواتر ہوتی اور صحابہ میں مشہور ہوتی اور اس پر عمل پیرا ہونے میں لوگ اس کی وجہ سے توقف نہ کرتے اور نہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں لوگ تقرر خلیفہ کے لیے جمع ہوئے کوئی ایسا اختلاف ہوتا کہ انصار کہتے کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو جائے اور ایک تم میں سے، پھر ایک جماعت حضرت ابوبکر کو خلافت کے لیے موزوں سمجھتی اور ایک حضرت عباس کو اور ایک حضرت علی کو اور پھر حضرت علی صحابہ سے حجت کرنے اور ان سے جھگڑنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے اور نص قطعی ثبوت میں پیش کرنے سے کبھی باز نہ رہتے، بلکہ وہ ضرور اپنی بات پر اڑے رہتے اور اپنے حق کا مطالبہ کرتے جیسا کہ وہ اپنے مطالبہ پر قائم رہے جب ان کی باری آئی اور جنگ بھی کی یہاں تک کہ صدہا آدمیوں کو فنا کر ڈالا۔ حالانکہ اس وقت معاملات زیادہ پیچیدہ ہو گئے تھے، ناشروع میں یہ بات زیادہ آسان تھی اس لیے کہ وہ زمانہ

آنحضرتؐ سے زیادہ قریب تھا اور لوگوں کی ہمتیں آنحضرتؐ کے احکامات کی بجا آوری کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ (شرح التجرید المقصد الخامس فی الامامۃ)

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگرچہ حضرت علیؑ کو اپنے خلیفہ نہ ہونے پر افسوس تھا اس لیے نہیں کہ حضرت ابوبکر نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا بلکہ صرف اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ احق سمجھتے تھے مگر بااین ہمہ انہوں نے محض اس وجہ سے کہ حضرت ابوبکر بھی ہر لحاظ سے خلافت کے لیے موزوں تھے کبھی مخالفت نہیں کی تا آنکہ حضرت عمر کا دور آیا اور حضرت علیؑ اب بھی یہ سمجھ کر خاموش ہو رہے کہ حضرت عمر بھی سیاست و تدبر کے اعتبار سے اُن سے کسی طرح کم نہیں لیکن یہ ناگواری اُس وقت بہت زیادہ بڑھ گئی جب لوگوں نے انصاف کا خون کر کے محض اس خوف سے کہ خلافت کہیں موروثی چیز نہ بن جائے حضرت علیؑ کو ایک جائز حق سے محروم کر دیا اور حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، حضرت عثمان گو نیک دل اور پرہیزگار بزرگ تھے مگر وہ علم و فضل شجاعت و بہادری سیاست و تدبر کسی اعتبار سے بھی حضرت علیؑ کے ہم پلہ نہیں تھے۔

حضرت علیؑ کا جام صبر لبریز ہو چکا تھا، اُس وقت وہ ضبط نہ کر سکے، انہوں نے مجمع کے سامنے ایک تقریر کی جو روضۃ الاحباب میں بالتفصیل موجود ہے آپ نے لوگوں کو مخاطب فرما کر کہا:۔

"لوگو میں تم کو قسم دیتا ہوں، کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا شخص ہے جس سے رسولِ خدا صلعم نے عقد مواخاۃ کے موقعہ پر انت اخی فی الدنیا والآخرۃ" کہا ہے؟ کیا کوئی ایسا شخص ہے جس کے حق میں آنحضرتؐ نے من

کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہا ہو؟ کیا میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کو سورہ برأت لے جانے کا امین قرار دے کر آنحضرتؐ نے یہ کلمات فرمائے ہوں؟ "لا یؤدی عنی الا انا او رجل من عترتی۔" کیا تم میں میرے علاوہ ایسا شخص ہے کہ آنحضرتؐ نے غزوات میں جب اُسے کہیں بھیجا ہو تو اُس کو تمام مہاجرین و انصار پر امیر بنایا ہو مگر اُس پر کبھی کسی کو امیر نہ بنایا ہو؟ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کے حق میں آنحضرتؐ نے "انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔" فرمایا ہو؟ کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جو خطرات کے مواقع، اعدا کے نرغہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ ہمیشہ ثابت قدم رہا ہو؟ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہو؟ کیا تم میں کوئی ایسا ہے، جو سلسلۂ نسب میں، رسولِ خدا صلعم سے مجھ سے قریب تر ہو؟"

لوگوں نے خاموشی سے تقریر سنی اور ہر ایک سوال پر حضرت علیؑ کی تائید کرتے ہوئے "کوئی نہیں"، "کوئی نہیں" کے نعرے لگائے آخر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ:۔"آپ نے اس وقت جو کچھ بیان فرمایا سب صحیح ہے لیکن لوگوں نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے امید ہے کہ آپ بھی اس کی موافقت کریں گے۔"

میرے نزدیک اس پارٹی کی خصوصاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی یہ زبردست خطائے اجتہادی تھی جنہوں نے حضرت علیؑ کے مقابلہ میں ایک ایسے شخص کو ترجیح دی جو کسی طرح اس کا مستحق نہ تھا، چنانچہ بعد میں خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اپنی آخر عمر تک اس پر متاسف رہے۔

مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی وہ تھی جس کو یاد کر کے اکثر حضرت

عبداللہ ابن عباس آنسو بہایا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔

"ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ صلعم و بین المسلمین ان یکتب لھم ذالک الکتاب" (بڑی مصیبت وہ تھی جو رسول خدا صلعم اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہوئی یعنی یہ کہ ان کے لیے کوئی وصیت نامہ مرتب کیا جائے۔) (بخاری کتاب المرضیٰ)

(سید جلیل الرحمن اعظمی)

(نگار) اس مسئلہ پر میرے مضمون کی اشاعت کے بعد سنی و شیعہ حضرات کے مضامین بکثرت موصول ہوئے، لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے تھے جن میں طعن و تشنیع، اور مناظرانہ کج بحثی کے سوا اور کچھ نہ تھا اسی لیے میں نے ان کو شائع نہیں کیا، بعض البتہ ایسے تھے جن کی اشاعت کو گوارا کیا جا سکتا تھا اور انہیں میں سے ایک یہ مضمون ہے جسے اس ماہ کے رسالہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل مقالہ نگار نے بہت سلجھے ہوئے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے، لیکن افسوس ہے کہ جس اصول پر میں گفتگو کی چاہتا ہوں اس کا لحاظ اس میں بھی نہیں رکھا گیا۔ عام طور پر مناظرہ کرنے والوں کی عادت یہ ہے کہ فریق کو مطمئن کرنے کی کوشش وہ بالکل نہیں کرتے بلکہ اپنی بات کی پیچ میں صرف الزامی جواب دینا زیادہ پسند کرتے ہیں اور اسی کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ گالی کا جواب گالی سے دینا برا نہیں لیکن اسی وقت جب ہم پہلے

یہ تسلیم کر لیں کہ سب سے پہلے جس نے گالی دی تھی اس نے کوئی اچھا کام کیا تھا۔

سنی شیعہ نزاع کا قیام آج تک صرف اسی وجہ سے قائم ہے کہ ہر فریق بجائے اس کے کہ دوسرے کو معقول دلائل سے قائل کرے، گالیوں پہ اُتر آتا ہے اور ایسی تلخ گفتگو کرتا ہے کہ دوسرے فریق میں بجائے سمجھنے کے انتقام کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس جذبہ کو معقولیت سے کیا واسطہ؟

میں نے ہرنام کے مضمون کو صرف اسی لیے پسند کیا کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ نہایت سنجیدگی سے لکھا گیا تھا اور دلائل صرف وہی پیش کئے گئے تھے جن کے ماننے پر سنی جماعت کو مجبور ہونا چاہیے تھا کیونکہ تمام روایات سنیوں ہی کی معتبر کتابوں سے لی گئی تھیں۔ اب اگر کوئی صاحب اس کے جواب میں ان روایات کو پیش کریں جنھیں شیعہ حضرات تسلیم نہیں کرتے ہیں تو بالکل بے نتیجہ بات ہو گی۔

چنانچہ ہمارے دوست مولوی سید جلیل الرحمٰن صاحب اعظمی نے بھی اسی ادھچھے حربہ سے کام لیا، یعنی اپنے پورے مضمون میں جہاں تک روایات کا تعلق ہے کوئی ایک سند بھی ایسی پیش نہیں کی جس کے تسلیم کرنے پر شیعہ جماعت مجبور ہو۔ فریق ثانی نہایت آسانی سے اس پورے مقالہ کا جواب یہ دے سکتا ہے کہ جو روایات اس میں درج کی گئی ہیں وہ یکسر لغو و مہمل ہیں۔ بخلاف ہرنام کے مضمون کے کہ اس کا جواب سنیوں کی طرف سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ان روایات کو تسلیم نہیں کرتے۔

میں نے جو کچھ فروری کے نگار میں لکھا وہ اسی اُصول کے ماتحت تھا یعنی یہ کہ امامت و وصایت جناب امیرؑ کے باب میں تمام روایات کو تسلیم کرنے کے بعد ایک انتہائی آزاد خیال شخص کی طرف سے اس کی تردید میں کیا کہا جا سکتا ہے اس لیے اب فضائل وغیرہ کی بحث یا یہ کہ رسولؐ اللہ نے جناب امیر کی ولایت و امامت کا اعلان کیا یا نہیں بالکل دور از کار بات ہے۔ اب تو اس امر کو اپنی جگہ مسلم قرار دے کر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس سلسلہ میں لازماً انہیں تمام مسائل کی چھان بین کرنا پڑے گی جن کا ذکر میں نے اپریل کے نگار میں کیا ہے اور جن پر اظہار خیال کی دعوت میں نے خصوصیت کے ساتھ شیعی علماء کو دی ہے۔

اعظمی صاحب نے تین عنوانات سامنے رکھ کر بحث کی ہے، قبول اسلام اعانت اسلام، مسئلہ امارت و خلافت اول الذکر دو عنوانات تو قطعی قابلِ اعتناد نہیں ہیں، کیونکہ اُن کا کوئی اثر مسئلہ خلافت و امامت پر نہیں پڑتا۔ رہ گیا تیسرا مسئلہ سو افسوس ہے کہ اس کو جیسا کہ چاہیے تھا طے نہیں کیا گیا۔

فاضل مضمون نگار نے ابتدا میں ظاہر کیا ہے کہ مسئلہ خلافت خالص مذہبی مسئلہ ہے لیکن آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ رسول اللہ نے اس کا کوئی فیصلہ اپنی زندگی میں نہ کیا تھا۔ حیرت ہے کہ رسولؐ اللہ معمولی نہانے دھونے کے معمولی مسائل تو اپنی زندگی میں لوگوں کو بتا جائیں اور خلافت ایسے اہم معاملہ کو جس پر اسلام کے مستقبل کا انحصار تھا غیر طے شدہ چھوڑ جائیں۔ اگر امامتؐ خلافت کا مسئلہ واقعی خالص مذہبی مسئلہ ہے تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ رسولؐ اللہ نے اس کا فیصلہ ضرور کیا اور وہ فیصلہ یقیناً حضرت علیؑ کے حق میں تھا جس کے بعد نہ اجماع

کی کوئی اہمیت باقی رہ جاتی ہے نہ مصلحتِ وقت کی۔ اس سلسلہ میں اعظمی صاحب نے جن روایات یا جن کتابوں کی مدد لے کر فیصلہ فرمایا ہے وہ صرف وہی ہیں جو "تنہا پیش قاضی روی راضی آئی" کے تحت میں آتی ہیں جب تک شیعہ سنی روایات کو سامنے رکھ کر اور سنی شیعی روایات کے استناد پر گفتگو نہ کریں دوسرا فریق مطمئن نہیں ہو سکتا۔ آپ لاکھ کہا کریں کہ رسول اللہؐ نے آخر وقت میں نماز کی امامت حضرت ابوبکر کے سپرد کر کے گویا خلافت کا مسئلہ بھی طے فرما دیا تھا لیکن شیعہ اس کو مانتے کب ہیں۔ بات ایسی کہیے جو فریق مقابل کو مطمئن و ساکت کرے ورنہ یوں یہ جھگڑا نہ مٹا ہے نہ آئندہ مٹ سکتا ہے۔ گزشتہ ماہ کے رسالہ میں ہرنام صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس پر ایک نوٹ کے ذریعہ سے میں نے شیعی علماء کو متوجہ کیا ہے۔ کہ وہ اُن عنوانات پر اظہار خیال فرمائیں جو ماہ مارچ ۳۶ء کے نگار میں میں نے متعین کئے ہیں۔

امید ہے کہ جنوری ۳۷ء میں اس موضوع پر میں کوئی بسیط مقالہ پیش کر سکوں گا، اعظمی صاحب اس کا انتظار کریں، ممکن ہے گفتگو کے لیے بعض بالکل جدید پہلو نکل آئیں اور وہ بھی میری طرح آخر میں یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ جب تک روایات کو چھوڑ کر صرف درایت کے نقطۂ نظر سے گفتگو نہ کی جائے اس کا فیصلہ دشوار ہے۔

فضائل جناب امیرؑ کے امتیازی خصوصیات[۱]

روایت و درایت کے معیار پر اصولی بحث

ایک وسیع الخیال غیر جانبدار انسان کی نقطۂ نظر سے

(از افادات عالی جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ مجتہد لکھنؤ)

دنیا میں بے شمار جماعتیں ہیں اور ہر جماعت کے کچھ پیشوایان بزرگان ہیں اور ہر ایک پیشوا و بزرگ کی روحانی و اخلاقی عظمت کے متعلق روایات ہیں جو اس جماعت میں شہرت کا درجہ رکھتے ہیں اور اس جماعت کے افراد ان روایات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

اُن قدیم مذاہب کو جانے دیجیے جن کا وجود تاریخ کے صفحات پر ہزاروں یا صدیوں برس کی مدت سے چلا آرہا ہے ابھی وہ جماعتیں جن کی پیدائش آنکھوں کی دیکھی بات ہے اُن میں بھی اپنے رہنمایاں کے متعلق اس قسم کی روائتیں موجود ہیں اور مقبولیت رکھتی ہیں۔

---

[۱] سرفراز رجب نمبر ۱۳۵۵ھ

کون بابی بہلائی مذہب کا پیرو ہوگا جو علی محمد باب کے گولیوں کی باڑھ سے ایک مرتبہ محفوظ رہ جانے کو اُن کی عظیم طاقت روحانی کا نتیجہ نہ سمجھتا ہوگا اور مرزا حسین علی بہاء ما ژندرانی کے بغیر تعلیم ظاہری عالم علم لدنّی ہونے پر ایمان نہ لایا ہوگا اور کون قادیانی مذہب کا نام لیوا ہوگا جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ان تمام کمالات کا حاصل نہ سمجھتا ہوگا جن کا وہ اپنے متعلق ادعا رکھتے تھے اور ان کے بیان کے مطابق اس کا یقین نہ رکھتا ہوگا کہ خدائے عزوجل ان کے خواب میں آیا اور لال روشنائی سے ان کے پیش کردہ کاغذ پر دستخط کیے جس کے قطرے جو قلم سے جھٹکنے میں گرے تھے ان کے لباس پر بیداری کے بعد بھی نمایاں تھے۔

اسلامی جماعت میں بدقسمتی سے شروع ہی میں افتراق پیدا ہوگیا اور وہ مذہب جو دنیا کو اُمت واحدہ بنانے اور حبل الٰہی سے بلا افتراق وابستہ کرنے کے لیے آیا تھا اس کے ماننے والے دو چار نہیں بلکہ تہتّر فرقوں میں منقسم ہوگئے جن میں سے ہر ایک نے اپنا قبلۂ مقصد اور کعبۂ عقیدت الگ قرار دے لیا۔

اس صورت میں یہ امر بالکل قابل تعجب نہیں کہ خود مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں بہ اعتبار اپنے اپنے بزرگان کے ایسے روایات شائع ہوگئے کہ اگر وہ سب یک جا کئے جائیں اور ایک غیر جانبدار انسان ان کو دیکھ کر کسی ایک متفقہ نقطہ پر پہنچنا چاہے تو حیرت و سرگشتگی کی ایک ایسی بھول بھلیاں میں گرفتار ہو جائے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہیں ہے۔

اب اگر وہ ڈاکٹر امبیدکر کی طرح حقیقت طلبی سے کوئی غرض نہیں رکھتا اور صرف رسمی حیثیت سے مختلف مذاہب پر ایک چھچھلتی ہوئی نگاہ ڈال کر کسی ایک پہلو کی طرف مڑ جانا چاہتا ہے جدھر اس کا دماغ نہیں، مگر دلِ چلے جانے کی تحریک کر رہا ہے تو وہ اُسی ہنگامۂ اختلاف کو پورے اسلام ہی سے کنارہ کشی کا بہانہ بنا لے گا اور اُدھر چلا جائے گا جدھر جانے کا مشتاق ہے۔

لیکن اگر وہ سچ مچ نقطۂ حقیقت کی تلاش میں ہے تو اُسے صرف یہ کہہ کر ایک صحیح راہ سے ہٹ جانے کا حق نہیں ہے کہ یہاں سے تو بہت راستے گئے ہوئے ہیں۔ کیا معلوم کون ٹھیک ہے۔ کیونکہ ان ہی بہت راستوں میں تو ایک وہ بھی ہے جو صحیح منزل تک پہنچانے والا ہے۔ اگر انسان "کاوش جستجو" سے سہمتا ہار کر اُس نقطۂ مشترک ہی سے ہٹ گیا تو منزل سے جتنا نزدیک ہو گیا تھا اس سے بہت زیادہ اب دور ہو جائے گا۔

ایسے شخص کی یہ "کج دلی" اور "پست ہمتی" بالکل اُس انسان کے مانند ہے جو مختلف مذاہب کے عظیم اختلافی مسائل کو دیکھ کر اصل مذہب ہی سے علیحدہ ہو کر "لامذہبیت" کے گوشہ میں پناہ گزیں ہوتا ہے حالانکہ اس سے اعضا و جوارح کو زحمت طلب سے آرام مل جائے لیکن روح کو وہ سکون حاصل نہیں ہو سکتا جو کسی حقیقت کو حقیقت سمجھ کر اختیار کرنے کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

ایسے لوگوں کی یہ "دماغی کاہلی" ہندوستانی مسلمانوں اور بالخصوص شیعوں کی اُس "جسمانی کاہلی" کے مانند ہے جو اسباب معیشت کی گوناگونی اور نفع و نقصان کے اعتبار سے ان کی دگرگونی سے گھبرا کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہا ہے

اپنے لیے سبب نجات سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح تجارت و حرفت و صناعت سب چیزوں سے کنارہ کشی کر کے بے کاری کی زندگی گذارنا اپنے لیے سبب اطمینان سمجھتے ہیں، نتیجہ یقیناً دونوں کا "فنا" ہے بے شک ایک جگہ "دنیوی" اور ایک جگہ "اخروی"۔

"منزلِ حقیقت کا طالب" بے شک اس کا فرض ہے کہ ہر ہر جادہ کو سمجھے۔ ہر راستہ کو پوچھے۔ ہر ہر گلی کوچہ میں جستجو کرے کہ کہیں اس کی مطلوبہ منزل اسی کوچہ میں نہ ہو جسے وہ چھوڑ کر آگے نکل گیا ہے۔

اسلامی روایتوں کے اختلاف کی صورت میں بھی جانچ پرتال کی ضرورت ہے نقد و تبصرہ کی حاجت ہے۔ سچے جھوٹے، کھرے کھوٹے، کے امتیاز کے لیے روایت و درایت کے اصول پر بحث کی ضرورت ہے۔ تب "دودھ کا دودھ پانی کا پانی" الگ ہو جائے گا۔ حق نتھر کر باطل کی آمیزشوں سے علیٰحدہ اور واقعیت نکھر کر آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔

پہلے سب کے اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ کون فریق ہے جس نے نقد و نظر کے دروازوں کو بند کیا ہے۔ جرح و تعدیل کے راستوں پر پہرے بٹھائے ہیں اور اپنے مجوزہ راستے کی طرف آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جانا چاہتا ہے۔

"الصحابة کلھم عدول"۔ اصحاب سب کے سب عادل ہیں" اور

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم"۔ اصحاب نبی سب ستاروں کے

مانند ہیں جس کی بھی پیروی کی جائے (بلا استثناء) ہدایت ہی ہدایت ہے۔"

ادھر کسی صحابی کے کسی طرز عمل پر کتنی ہی متانت، ادب اور تہذیب

کے ساتھ کیوں نہ ہو نکتہ چینی شروع ہوئی اُدھر جبین عقیدت پہ شکن آئی چہرۂ

اخلاص غصّہ سے تمتما گیا اور کاکلِ ارادت بل کھانے لگی۔ ہائیں! اصحاب نبیؐ

کی شان میں گستاخی۔ تبرّا، کھلا ہوا تبرّا!!

گویا ان لوگوں کے لغت میں کسی اُصولی اعتراض اور آئینی اظہارِ

اختلاف کا نام ہے "تبرّا" اور اسی کی دوسری تفسیر ہے "گالیاں دینا" جبھی

تو جس صاف سادہ مسلمان سے پوچھیے وہ کہے گا کہ گالیاں دینا شیعوں کا جزو

مذہب ہے اور یہ شعر پڑھ دے گا ؎

دشنام بہ مذہبے کہ طاعت باشد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

پھر کچھ کتابیں ایسی مقرر کرلیں کہ دنیا بدل جائے، زمین آسمان میں

انقلاب آجائے، اُن ہی کتابوں سے "رنگیلا رسول" ایسی رسوائے عالم کتاب

تصنیف ہوجائے جس پر اس کے مصنف کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر خود سولی پر چڑھ جانا

پڑے لیکن یہ زبان سے نہ نکلے گا۔ ان کتابوں کی سب روایتیں معتبر نہیں ہیں کوئی

ضعیف ہے۔ کوئی موضوع ہے اور کوئی غیر معتبر، بلکہ کہتے ہی رہیں گے کہ "اصح

الکتب بعد کتاب الباری" اور یہ کہ اُن کے روایات نقد و تبصرہ سے بلند و برتر ہیں۔

اگر کوئی بے چارہ اللہ کا بندہ ذوق تحقیق سے "رجال بخاری" ایسی کتاب

لکھ دے گا تو اس پر اخباروں کے صفحات پر وہ شور برپا کیا جائے کہ شورِ محشر بھی

شرما جائے اور وہ بے چارہ ایسا دم بخود ہو کہ پھر اتنی ہمت ہی نہ کرے اور نہیں
تو یہ دھمکی دی جائے کہ جو راجپال اور شردہانند کا انجام ہوا وہی تمہارا بھی ہو گا۔

فروعِ دین یعنی مسائل شرعیہ میں اجتہاد و استنباط یعنے ذاتی غور و خوض کا دروازہ بند۔ گنتی کے چند اشخاص جو اب سے ایک ہزار سال سے زیادہ پہلے اور پیغمبر اکرم کے عہد سے کم و بیش ڈیڑھ دو سو برس بعد یعنی نہ زمانہ نزول احکام و تشریع مسائل کے وقت حاضر نہ زمانہ اجرائے حکم اور ہنگام عمل کے ناظر مگر پورا دارومدار اُن ہی کی ذاتی رایوں پر اور تقلید کا پورا بار اُن کے مُردہ و بوسیدہ کاندھوں پر، قاعدہ ہے کہ جس قوت کے فرائض اُس سے الگ کر لیے جائیں وہ قوت پھر اُن فرائض کے ادا کرنے سے قاصر ہی ہو جاتی ہے۔

یقیناً صدیوں کی یہ پابندی عقول و افکار میں جمود پیدا کرے تو کوئی تعجب نہیں۔

اصول مذہب میں عقلی بحث کا دروازہ اس لیے بند کہ حسن و قبح عقلی کوئی چیز ہی نہیں اور اچھے یا بُرے کے کوئی معنی نہیں۔
اب رہا کیا؟ آنکھیں بند کر کے کانوں پر پردے ڈال کے، دماغی طاقتوں کو بے کار معطل بنا کے جو کچھ کہا جائے اسے مان لو اور جو بتایا جائے اسے جان لو۔ سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔

ایک غیر جانبدار و وسیع الخیال انسان کو اسی سے کھٹکنا چاہیے اور دل میں کہنا چاہیے یا الٰہی معاملہ کیا ہے، فراموشن کا کارخانہ ہے؟ طلسمی قلعہ ہے؟ راہ ظلمات ہے؟ آخر ہے کیا کہ چون و چرا کی گنجائش نہیں، سوچنے سمجھنے کی اجازت نہیں۔ اس کا ضمیر ضرور بے اطمینانی کی کروٹیں بدلے گا اور شک و شبہ سے پیچ و تاب کھائے گا اور سمجھے گا کہ کچھ نہ کچھ ہے جس کی پردہ داری منظور ہے۔

اب اگر اس نے اس منزل سے عبور کر لیا اور ذرا آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی اور پیشوایان مذہب کے مدارج و مراتب پر اس کی خصوصیت سے نگاہ گئی اور تفصیل کے خارزار میں دامن الجھانے کے قبل اس نے اجمال کے وادی کو طے کر لینا چاہا اور یہ دیکھا کہ آخر اصولی حیثیت سے ایک بزرگ ترین پیشوا کے لیے معیار کیا مقرر کیا گیا ہے؟

اس نے ایک طرف نگاہ ڈالی۔ ایک فریق کے نمائندہ کو دیکھا کہ عرشہ بلندی سے چیخ چیخ کر بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ بلند ترین انسانی اوصاف کی ایک فہرست ہے جو سنا رہا ہے۔ کہیں پر آواز میں ارتعاش نہیں۔ لہجہ میں اضطراب نہیں۔ تقریر میں جھول نہیں۔ زبان میں لکنت نہیں، لبوں پر خشکی نہیں، گلے میں خرخراہٹ نہیں، وہ کہہ رہا ہے "پیشوائے مذہب، امام خلق، رسولؐ کا جانشین وہ ہو سکتا ہے، جو اعلم زمانہ ہو، افضل زمانہ ہو، ازہد زمانہ ہو، اورع ہو، اشجع ہو، اشرف ہو، صحیح النسب ہو، وغیرہ وغیرہ کہتے کہتے سب سے زیادہ یہ ہے کہ معصوم ہو یعنے اپنے افعال و اعمال میں مرضی الٰہی کا بالکل آئینہ ہو، بھولے چوکے، ناواقفیت، جہالت اور کسی سبب سے بھی اس سے بد ہا بیسے

جوانی بلکہ بچپنے میں بھی کبھی گناہ سرزد نہ ہوا ہو اور غلطی نہ کی ہو۔ اور چونکہ اس مرتبہ کا حصول عام انسانوں کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے اس لیے اس کی پیشوائی و جانشینی کا اعلان خدا کی جانب سے پیغمبرؐ کی زبانی ہو گیا ہو۔

دوسری جانب نگاہ گئی تو یہ دیکھا کہ جوں جوں پیشوا کے اوصاف میں قیود عائد ہوتے جاتے ہیں اور شرائط میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اُدھر چہروں کا رنگ اُڑتا جاتا ہے۔ سروں کا بلند کرنا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا، چہروں پر ہوائیوں کا چھوٹنا اور ہونٹوں پر زبان کا پھرانا سب کچھ وہ کہہ رہا ہے جو دل کی گہرائیوں میں مضمر ہے اور یہ اضطراب و پریشانی کا اظہار صاف غمّازی کرتا ہے کہ اوصاف وہ سامنے آگئے ہیں جو اپنے مشاہدہ و تجربہ نہیں بلکہ وہم و خیال سے بھی بالاتر ہیں اور اس لیے جب وہ فہرست ختم ہوئی اور فریق مقابل کے جواب کی نوبت آئی تو اس کے نمائندہ نے کھڑے ہو کر ہر ہر صفت کے لحاظ سے نہیں نہیں کی رٹ لگائی اَعلم ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، افضل ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، اشجع ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، اشرف ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، معصوم ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں۔ یہاں جا کر بڑی ہمت یہ کی گئی کہ عدالت کی شرط قرار دی مگر اچپا پچپا کر اس میں بھی انتخاب ابتدائی کی قید لگائی یعنی شروع شروع اس کا خیال رکھا جائے کہ عادل ہی منتخب ہو لیکن اگر اتفاق سے فاسق ہی کی خلافت مسلّم ہو جائے تو بہر حال وہ خلیفہ ہے۔ فسق و فجور کی وجہ سے وہ خلافت کے عہدہ سے برطرف نہیں سمجھا جائے گا۔

یقیناً ایک جانبدار انسان اگر اس میں معاملہ فہمی کی طاقت بھی موجود ہے

تو اس سے یہ اندازہ کرے گا کہ پہلے فریق کو اپنے پیشواؤں کے بلند ترین اوصاف پر واقعی حیثیت سے یا کم از کم اُن دستاویزوں کے لحاظ سے جو موجود ہیں اتنا اعتماد ہے کہ وہ ان تمام اوصاف کو اُن پر منطبق کر سکتا ہے اور دوسرے فریق کو اپنے پیشواؤں کی نسبت ان اوصاف کے منطبق ہونے کا یقین اور گمان کیسا بلکہ زبردستی تاویل اور سخن کجی کے زور سے بھی منطبق ہونے کا امکان ہی نظر نہیں آتا اس لیے وہ ان قیود کے متعلق سختی سے انکار کرنے ہی میں اپنی جیت سمجھ رہا ہے۔

میرے خیال میں فضائل کی بحث کا یہیں پر فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ایک غیر جانبدار انسان کو یہ زحمت ہی برداشت کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ تفصیل کے ساتھ ایک ایک کی فضیلت کا دوسرے کے ساتھ موازنہ کرے۔

لیکن ذوق طلب نے اسے یہ اکتفا کی اجازت نہ دی اور اس کی تحقیق کی پیاس اتنے میں نہ بجھ سکی تو اب وہ فریقین کی کتابیں اُٹھائے گا۔ احادیثؒ سنن، سیر و تواریخ سب کو اپنے سامنے رکھ کر تمام متعلقہ اشخاص بزرگان مذہب کے فضائل و حالات کی الگ الگ فہرست اُن کے اسناد و روایات کے حوالہ کے ساتھ مرتب کرے گا اور اس کے بعد اس کی نگاہ کچھ خاص پہلوؤں کی طرف جائے گی جو بہت حد تک واقعیت کے نقطہ تک پہنچانے میں اس کی رہنمائی کریں گے۔

یقیناً اگر وہ سنجیدہ کامیاب تفتیش کے اُصول سے واقف ہے تو وہ اس کی کوشش کرے گا کہ وہ ایک فریق کے مسلمہ پیشوا کے خصائص و حالات مراتب و کمالات کی سندوں کو دوسرے فریق کے مستند کتب احادیث و تواریخ

میں تلاش کرے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائے تو سمجھے گا کہ میں نے ہفتخوان فتح کر لیا۔ اس لیے کہ کسی پیشوائے مذہب کے فضائل و کمالات کے متعلق خود اس کو پیشوا ماننے والی جماعت میں تو ایسی حکایتیں شائع ہوتی ہی ہیں جو اس فریق میں مسلم حیثیت رکھتی ہوں، لیکن دوسرا فریق انہیں نہ تسلیم کرے، ایسے روایات ایک غیر جانبدار شخص کے دل و دماغ پر ہرگز کوئی نتیجہ خیز اثر نہیں ڈال سکتے۔

جب اس معیار پر وہ جانچے گا تو معلوم ہوگا کہ ایک فریق جو تعداد کی حیثیت سے اکثریت رکھتا ہے اور مالی و اقتداری ہر حیثیت سے غلبہ، اس کے پیشوایان خاص اور بزرگ مرتبہ مقتدایان کے لیے دوسرے فریق کے یہاں سوائے قدح کے کچھ ملتا ہی نہیں اور قدح بھی ہر طرح کی۔ علمی۔ عملی۔ اخلاقی، اوصافی نسبی حسبی، لیکن دوسرے فریق کے مقتدایان اور بالخصوص پیشوائے اعظم علی بن ابی طالبؑ کے لیے۔ اول الذکر فریق کی کتابوں میں فضائل کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جو ان تمام شرائط و قیود کے منطبق کر دینے کے لیے کافی ہے جنھیں اس فریق نے امامت و خلافت کے لیے ضروری قرار دیا تھا اور قدح کا تو نام و نشان ہی نہیں ہے اگر کہیں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت کسی معمولی سی کمزوری کے متعلق لکھ بھی دی گئی ہے (جیسے حکایت خطبۂ بنت ابی جہل) تو اسی کے ساتھ اسی جماعت کے بلند مرتبہ حفاظ و محدثین نے لکھ دیا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

اسی کے اوپر وہ فضائل کی بحث کا تصفیہ کر سکتا ہے۔ اگر ان وقایا

فضائل کے پہلو بہ پہلو جو جناب علی ابن ابی طالبؑ کے متعلق موجود ہیں دوسرے فریق کی نسبت اتنی ہی تعداد میں یا اس سے زیادہ فضائل کے روایات بھی موجود ہوں، لیکن پہلی قسم کے روایات حضرت علیؑ کے معتقدین خاص کے علاوہ اس جماعت کے کتب میں بھی موجود اور تصدیق شدہ ہوں جو آپ کو مذہبی حیثیت سے وہ درجہ نہیں دیتی لیکن دوسرے فریق کے متعلق وارد شدہ فضائل صرف ان ہی کے عقیدت مند حلقہ کے ساتھ مخصوص ہوں تو یہیں سے ایک غیر جانبدار انسان کے نقطۂ نگاہ سے محل اعتبار میں دوسرے حضرات کے فضائل حضرت علیؑ کے فضائل کے پہلو میں ہرگز نہ آسکیں گے اور پھر اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جائے گا کہ ان حضرات کے روایات مدح کے ساتھ خود اُس جماعت کے کتب میں روایات قدح بھی موجود ہیں جو اُن کے مخالف فریق کی تائید کر رہے ہیں اور اس لیے یہ روایات قدح خود اُن کے روایات مدح کے ساتھ معارضہ رکھتے ہیں جس کی بناء پر اگر کسی ایک کو ترجیح بھی نہ دی جائے اور دونوں کو یکساں قرار دے کر پایۂ اعتبار سے حذف کر دیا جائے تو کیا ہوگا۔ دفتر فضائل میں (۰) اور حضرت علیؑ کے فضائل بلامعارض لائق تسلیم قرار پائیں گے۔

اس موقع پر کتنی بے بسی کا مظاہرہ ہے یہ کہنا کہ اہل سنت کے کتب میں شیعہ لوگوں نے اپنی دسیسہ کاریوں سے اس قسم کے روایات داخل کر دیے ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے ایک وہ جماعت جو دولت و سلطنت کی مالک ہو جہاں علوم و حدیث و تاریخ حکومت و جہانبانی کے زیر سایہ پروان چڑھ رہے ہوں جہاں کے فقہ و حدیث کے لیے درسگاہیں قائم ہوں جس کے حفاظ و محدثین کی تعداد

ایک ایک زمانہ میں سینکڑوں تک پہنچی ہو وہ اپنے علمی سرمایہ کے بارے میں اتنی بے بس ہو جائے کہ دوسری جماعت کے افراد اس کی معتبر ترین کتاب پر قبضہ کر کے اُس میں جو چاہیں اپنے دل سے ملا دیں اور اُس جماعت کو خبر بھی نہ ہو بلکہ حفاظ و محدثین اسی تحریف شدہ ذخیرہ کی حفظ میں مصروف ہو جائیں، اُسی کو نقل کریں اور اُسی کی نشر و اشاعت میں اپنی جان کھپائیں۔

بر خلاف اُس کے وہ دوسری جماعت جو ہمیشہ مقہور و مغلوب رہی ہو جس کی گردنیں تلواروں کے لیے۔ جس کے ہاتھ پاؤں ہتھکڑیوں بیڑیوں کے لیے جس کی زندگیاں جیل خانوں کے لیے وقف رہی ہوں، جس کی صدیوں تک کوئی چھوٹی سے چھوٹی درس گاہ بھی نہ ہو اور جس کو اپنے کتب کی نشر و اشاعت کا موقع بھی نہ حاصل ہو۔ جس جماعت کا کئی مرتبہ قتل عام ہوا ہو وہ اپنے علمی و مذہبی سرمایہ کی اتنی حفاظت کرے کہ کسی مخالف مذہب کو اُس میں اپنے حسب دل خواہ قطع و برید اور الحاق و زیادتی کا موقع نہ ملے۔ کیا یہ عقل میں آنے کی بات ہے؟ کیا کوئی بے غرض غیر جانبدار انسان اس کی تصدیق کر سکتا ہے؟ پھر آخر کیا ہے کہ شیعوں کے موافق روایات اہل سنت کے یہاں کثرت سے مل جاتے ہیں اور اہل سنت کے موافق منشا روایات شیعوں کے یہاں غیر ممکن۔

لڑائی نہیں ہے۔ سخن پروری نہیں ہے۔ مناظرہ نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ مجھ کو مناظرہ سے نفرت ہے اور میں اُس کو تحقیق حق کا ذریعہ نہیں سمجھتا ہوں، مگر حقیقتاً یہ سوال ہے اور قابل غور بات ہے جس کے اوپر ہر بے غرض

اچھا اگر ایسا ہی ہوتا کہ وہ روایات شیعوں نے کتابوں میں ملحق کر دیئے تھے تو کم از کم جب علم رجال و درایت کی تدوین ہوئی اور نقد احادیث پر کتابیں تصنیف ہونے لگیں اور صحیح حسن۔ موثق۔ ضعیف۔ موضوع الگ الگ کی جانے لگیں تو وہ روایات جو فضائل علیؑ ابن ابی طالب سے متعلق تھے موضوع یا ضعیف قرار پاتے اور روایات فضائل حضرات خلفاء صحیح و حسن اور کم از کم موثق لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

امام احمد بن حنبل اور قاضی اسمٰعیل بن اسحاق فرما رہے ہیں لم یرد فی فضائل احد من الصحابة بالاسانید الحسان ما ورد فی فضائل علی بن ابی طالبؑ۔

"صحابہ میں سے کسی بزرگ کے متعلق حسن و معتبر سندوں کے ساتھ اتنے روایات وارد نہیں ہوئے ہیں جتنے علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں وارد ہیں۔" (استیعاب مطبوعۂ دائرۃ المعارف حیدر آباد جلد ۲ ص۴۷۹) حافظ نسائی اور ابو علی نیشاپوری کا ارشاد ہے۔ لم یرد فی حق احد من الصحابة بالاسانید الصحاح اکثر مما ورد فی حق علی۔

"کسی صحابی کے بارے میں صحیح السند طرق سے اتنے روایات وارد نہیں ہوئے ہیں جتنے حضرت علیؑ کے بارے میں ہیں۔" (منہج مکیہ مصنفہ ابن حجر مکی مطبوعہ مصر ص۲۳۷)

پھر کیا اس سے ایک غیر جانبدار انسان کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہ ہوگا کہ یہ حقیقت و واقعیت کا زور تھا جس نے تمام مذہبی جذبات کے خلاف

ان روایات کو مستند و معتبر راویوں کے زبان و قلم سے نکلوا دیا اور اس کے برخلاف دوسرے صحابہ کے فضائل کے متعلق چونکہ اُن کی روایت صرف اُن کے عقیدت مند حلقہ سے مخصوص ہے یہ شبہ پیدا ہو جائے گا کہ اُن کی ساخت و پرداخت صرف ارادت و عقیدت کا نتیجہ ہے اور اس لیے اُن کی مخالف جماعت میں ان روایات کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔

بعض لوگوں نے حضرت علیؑ کے فضائل کی کثرت کی عجیب و غریب توجیہ یہ کی ہے کہ چونکہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو غیبی طریقہ پر یہ اطلاع حاصل تھی کہ حضرت علیؑ کے خلاف ایک جماعت ایسی پیدا ہوگی جو آپ کی تنقیص کرے۔ اور آپ کی مخالفت کرے اس لیے حضرتؐ نے آپ کے فضائل کثرت سے بیان فرمائے تاکہ لوگ آپ کے مخالفین کی باتوں میں آکر آپ سے منحرف نہ ہوں اور جادۂ حق سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں۔ (صواعق محرقہ مصنفہ ابن حجر مکی مطبوعہ مصر صفحہ ۷۲)

لیکن یہ تاویل عجیب و غریب ہے، رسولؐ کو اس کا علم تھا کہ حضرت علیؑ کی تنقیص کرنے والے پیدا ہوں گے۔ کون؟ بنی اُمیہ اور اس لیے آپ نے اُن جناب کے فضائل زیادہ بیان فرمائے لیکن آخر حضرت سرورِ کائنات کو یہ بھی تو علم ہوگا کہ ایک جماعت ایسی موجود رہے گی جو خلفائے ثلاثہ کی مذہبی عظمت کی بالکل قائل نہ ہوگی بلکہ اُن حضرات کی علمی و عملی حیثیت سے ہر طرح تنقیص کرتی ہوگی۔ وہ کون؟ یہی جماعت روافض۔

پھر اگر واقعی حضرات خلفاء کے فضائل وہی سب کچھ تھے جو حضرت علیؑ

کے لیے بیان ہوئے یا اُن سے کچھ زیادہ تو رسول اکرم نے اُن کے فضائل بھی کیوں نہ بیان فرما دیے تاکہ اس جماعت کے معتقدات کا سدِباب ہو اور اُمتِ محمدیہ گمراہی سے محفوظ ہو جائے۔

اگر دیکھا جائے تو حضرت علیؑ کے مخالف بھی آپ کی حکومت و سلطنت کو نہ تسلیم کرتے ہوں آپ کے اصولِ جہانبانی و سیاست پر اعتراض کرتے ہوں مگر آپ کے علمی و عملی کمالات کا ایک بھی مخالف نہ تھا یہاں تک کہ جماعت خوارج تک جو آپ کی حد درجہ مخالف ہے اور آپ سے برأت کو اپنا ایمان سمجھتی ہے وہ آپ کے بے نظیر علمی و عملی خصوصیات کی قائل ہے جس کے متعلق میں اپنے ایک مخصوص مقالہ میں کافی تبصرہ کر چکا ہوں جو گزشتہ زمانہ میں کسی سال کے سرفراز رجب نمبر ہی میں شائع ہوا تھا اور پھر امامیہ مشن کی جانب سے کسی سال کے ماہ رجب کے رسالہ میں وہ درج ہو کر دوبارہ بھی شائع ہو رہا ہے۔

اس کے برخلاف جماعت روافض (فرقہ شیعہ) حضرات خلفاء کی نسبت کسی طرح کے بھی کمال کی نسبت کو اپنے ضمیر کی بنا پر قبول نہیں کرتی اور اگر ان حضرات کے تذکرہ میں کسی زبان و قلم پر کوئی تعظیمی لفظ نظر آئے (جیسا کہ میں پابند ہوں) تو اس کو صرف اپنے برادران ملی کی خاطرداری اور ایک اندازِ رواداری سمجھنا چاہیے اور کچھ نہیں۔

پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ حضرت علیؑ کی مخالف جماعت جو کھلم کھلا اس درجہ تک آپ کی دشمن رہی ہو جیسا کہ بنی اُمیہ تھے اُس کی عمر کتنی مختصر و کوتاہ تھی جو

زیادہ سے زیادہ چند صدی میں ختم ہو گئی۔ جماعت خوارج ہر زمانہ میں موجود رہی اور اب بھی ہے لیکن کچھ محدود علاقوں میں محصور۔ ایک محدود تعداد میں منحصر۔ اس کے علاوہ جتنے مسلمان ہیں چونکہ وہ حضرت علیؑ کو پہلا خلیفہ نہیں تو چوتھا خلیفہ ضرور تسلیم کرتے ہیں، اس لیے وہ حضرت علیؑ کی نسبت ہرگز کسی ایسے امر کا اظہار نہیں کر سکتے جو کھلم کھلا آپ سے نفرت اور بیزاری کا ثبوت دے۔

اس لیے النجم بھی لکھے گا تو یہ کہ شیعوں کے (مفروضہ النجم) روایات کی بناء پر حضرت علیؑ (معاذ اللہ) ایسے تھے اور ویسے تھے لیکن اس سے پوچھا جائے کہ تمہارے نزدیک کیسے تھے تو وہ ہرگز کسی تنقیص کی نسبت کو اپنے ذمہ عائد نہیں کرے گا۔

اخبار "الجمیعۃ" دہلی بھی لکھتا ہے تو یہ کہ "ہم کو ایک نئے علیؑ اور حسینؑ بنا کر تبرے کا جواب تبرے سے دینا پڑے گا۔"

میں تو چونکہ روادار انسان ہوں اور ہر بات میں صلح پسندی کے پہلو کی تلاش کرتا رہتا ہوں اس لیے میرے نزدیک تو شیعی جرائد کو اس کے جواب میں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ اگر تم نئے علیؑ اور حسینؑ بنا کر تبرے کا جواب دینا چاہو گے تو نہ وہ ہمارا جواب ہوگا نہ ہمیں اس پر بگڑنے کی ضرورت اس لیے کہ ہم جنہیں مانتے ہیں وہ پرانے علیؑ و حسینؑ ہیں۔ نئے نہیں ہیں۔ اگر کسی نئے کو بنا کر تم نے تبرا کیا تو ہم سے مطلب؟

یہ صورت تو مخالفین علیؑ کی ہے۔ لیکن دوسرے صحابہ کی مخالف جماعت

شیعہ بروہ اصول، تمدن اور معاشرت اور اتحاد اسلامی کے مفاد و مقصد کی بناء

لیے سنجیدہ وفہمیدہ علماء وزعماء کی جانب سے رد کی جائے اس سے کہ وہ ملاءِ عام میں ان حضرات کی نسبت اپنے خیالات کا علانیہ اظہار کرے۔ یہ اور بات ہے لیکن واقعیت وحقیقت کے لحاظ سے جو کچھ یہ جماعت سمجھتی ہے اور کہنا جائز سمجھتی ہے اُس کو دنیا جانتی ہے۔ وہ کبھی ان حضرات کی نسبت کسی اپنے خیال کا اظہار کرتے وقت یہ کہتے نہیں جھجکے گی کہ ہمارا مقصود وہی ہیں اور کوئی نہیں۔ اُسے نئے بنانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ان ہی پرانے اشخاص کی نسبت جو کچھ عقیدہ رکھتی ہے اُس کا اظہار بھی جائز سمجھتی ہے۔

اور یہ جماعت جب سے دنیا میں پیدا ہوئی اگرچہ اُس کے فنا کی تدبیریں کوئی بھی اٹھا نہیں رکھی گئیں مگر اُس کی مردم شماری میں اضافہ ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ اس وقت تمام دنیا کے طول وعرض میں ہر اقلیم اور ہر ملک میں اس کے نام لیوا موجود ہیں اُس کی سلطنتیں قائم ہوئیں مٹیں اور پھر اُن کی بنیادیں پڑیں اور اس وقت بھی اُس کی خود مختار سلطنتیں حکومتیں اور اجتماعی مراکز موجود ہیں۔

پھر کیا اگر اُس جماعت کے وجود کی بناء پر حضرت علیؑ کے فضائل حضرت رسولؐ اکرم کو بیان کرنے کی ضرورت تھی تو اس جماعت کے وجود کی بناء پر دوسرے حضرات کے فضائل اگر ان کی کچھ اصلیت ہوتی تو اور زیادہ شدومد کے ساتھ حضرت رسولؐ اکرم کو بیان نہ کرنا چاہیے تھے اور کیا بیان نہ کرنے کی صورت میں اس جماعت کی گمراہی کی ذمہ داری حضرت کی طرف عائد نہیں ہو سکتی؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ توجیہ وتاویل بالکل بے پا در ہوا ہے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت کے ترجمان اور واقعیت کے مفسر تھے۔

انھوں نے جس کے جتنے مراتب تھے آتنے بیان فرمادیئے۔ اس میں نہ کسی حکمت عملی کا دخل تھا نہ کسی پیش بندی کا اہتمام۔

آپ نے تو صحابہ میں سے ایسے ایسے افراد کے فضائل بیان فرمائے جنہیں مذہبی حیثیت سے کوئی منصب و عہدہ حاصل نہیں ہے اور نہ اُن کی دنیاوی حیثیت سے کبھی تنازع ہے جیسے حضرت سلمان فارسی۔ ابوذر غفاری۔ مقداد۔ عمار بن یاسر۔ خزیمہ بن ثابت۔ ابی بن کعب۔ عبداللہ بن مسعود۔ حذیفہ بن الیمان وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد اگر کچھ اشخاص کے فضائل آپ نے بالکل بیان نہیں فرمائے تو ایک بے غرض انسان تو یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ ان میں فضیلت سامنے تھی اور مرتبت میں کوئی حرف بھی نہ تھا ورنہ عادل و منصف بے لوث اور بے غرض پیغمبر اس کے اظہار میں کمی ہرگز نہ کرتا۔

حضرت علیؑ کے فضائل کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب انسان اُس ماحول پر نگاہ ڈالتا ہے جو ان فضائل کے بالکل فنا کر دینے کا خواہاں تھا۔

دو چار برس کی مدت نہیں ایک صدی کے قریب زمانہ اس حالت میں گزرا کہ علیؑ کا نام زبان پر لانا جرم تھا آپ کی فضیلت کا بیان کرنا ناقابل معافی گناہ۔

ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اس حالت کی تصویر خوب کھینچی ہے جسے ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں درج کیا ہے

اور میں نے اپنے رسالہ "حسین اور اسلام" میں اس کے اقتباسات درج کئے ہیں اُس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام عمال حکومت کو قطعی حکم دے دیا گیا تھا کہ جو کوئی علیؑ کی کوئی فضیلت بیان کرے اس کا جان و مال مباح ہے۔

انتہا یہ ہے کہ لوگ حضرت سے نقل حدیث کرتے وقت آپ کا نام لیتے ڈرتے تھے جس کا ثبوت حسن بصری کی روایت سے ملتا ہے جس میں درج ہے کہ کسی اُن کے شاگرد خاص نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے رسالت مآبؐ کی زیارت تو کی نہیں ہے مگر آپ احادیث میں قال رسول اللہ بلا تکلف کہہ دیتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا "تم نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو آج تک کسی نے نہ پوچھی تھی۔ اور اگر تم کو مجھ سے یہ خصوصیت نہ حاصل ہوتی تو میں ہرگز تم کو نہ بتلاتا۔ انی فی زمان کما تری کل شئی سمعتنی اقولہ قال رسول اللہ فھو عن علیؑ بن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا۔

"میں ایک ایسے زمانہ میں ہوں جیسے تم دیکھ رہے ہو۔ جو کچھ تم مجھ سے سنو کہ میں قال رسول اللہ کہہ کر بیان کرتا ہوں وہ درحقیقت میں نے علیؑ ابن ابی طالب سے سُنا ہے مگر زمانہ ایسا ہے کہ میں علیؑ کا نام نہیں لے سکتا۔"

(لمعات فریدہ مصنفہ علامہ ابراہیم راوی رفاعی مطبوعہ بغداد صـ۸۳)

اس کے برخلاف دوسرے صحابہ کے فضائل میں روایت بیان کرنے والے کو انعامات دیئے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کثیر التعداد موضوع روایتیں صحابہ کے فضائل میں تصنیف ہو گئیں، ابو الحسن مدائنی کی محولہ بالا عبارت میں

اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس صورت حال کی بناء پر ایک طرف تو ان حضرات کے فضائل کی وہ اذہور جو روایتیں تھیں وہ بھی ایک غیر جانبدار انسان کے نقطۂ نگاہ سے مشکوک ہو گئیں کہ کہیں یہ اُسی ٹکسال کی بنی ہوئی نہ ہوں جو حکومت وقت کی طرف سے روایتوں کے ڈھالنے کے لیے قائم ہوا تھا اور دوسری طرف فضائل حضرت علیؑ کی امتیازی شان دوبالا ہو گئی کہ اُن کے تواتر اور قطعیت کا وہ بے پناہ سیلاب تھا جو حکومت وقت کی انتہائی جد وجہد کے ساتھ رک نہ سکا اور اس طرح دنیا میں پھیلا کہ اموی سلطنتیں اور ان کی وضع کردہ روایتیں فنا ہو گئیں لیکن ان فضائل سے تمام اسلامی کتب احادیث و تواریخ کے دامن چھلک رہے ہیں۔ بے شک ؎

کتاب فضل علیؑ را اکم است آب بحار
کہ تر کنم سر انگشت و صفحہ بشمارم

بحث کے بہت سے پہلو باقی ہیں۔ جن پر تبصرہ پھر کبھی۔ والسّلام۔